مقالات خطیب اعظم

۱

بانی تنظیم خطیب اعظم

مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ

ناشر

تنظیم المکاتب، گولہ گنج، لکھنؤ

سلسلہ آثار خطیب اعظم مولانا سید غلام عسکریؒ

مقالات خطیب اعظم

حصّہ اوّل

مولانا سیّد غلام عسکری طاب ثراہ

ناشر

تنظیمُ المکاتِب گولہ گنج لکھنؤ

نام کتاب:۔ مقالات خطیب اعظمؒ حصہ اول

مصنف:۔ مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ

کتابت:۔ جعفر مرزا

پہلا ایڈیشن:۔ جنوری ۲۰۰۴ء

دوسرا ایڈیشن:۔ جنوری ۲۰۱۰ء

تیسرا ایڈیشن:۔ نومبر ۲۰۱۸ء

تعداد:۔ ایک ہزار

ناشر:۔ تنظیم المکاتب گولہ گنج لکھنو

پرنٹر:۔ کہکشان گرافکس گلی قاسم جان دہلی

قیمت:۔ Rs. 35/-

عرض تنظیم

بانیٔ تنظیم خطیب اعظم مولانا سید غلام عسکری اعلی اللہ مقامہ ان باعظمت افراد میں تھے جنھوں نے حکم خدا " اپنے کو اور اپنوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ" کو عملی جامہ پہنانے کو اپنا ہدف بنالیا تھا۔ اگلی نسل کی تربیت و تعلیم ان کا مقصد حیات تھا۔ یہ کام انھوں نے اپنے پورے وجود سے کیا اور زبان و قلم کی ساری طاقت اس کے لئے صرف کی۔ ان کا کمال یہ تھا کہ جہاں وہ منبر سے پیغام حق پہنچانے کے ماہر تھے وہیں قلم کے ذریعہ مزاج دینداری پیدا کرتے رہے۔ ان کے مضامین جہاں ایک طرف دین اور ایمان کا پیغام پہنچانے میں بے نظیر ہیں وہیں دوسری طرف مذہبی اردو ادب کا شاہکار بھی ہیں۔ ان مضامین میں نہ بناوٹ ہے نہ تصنع نہ ادبی زور آزمائی اور نہ آورد بلکہ شگفتگی ہی شگفتگی ہے۔ بانیٔ تنظیم کی وفات کے بعد ان کے چند مقالات کو جمع کر کے ادارہ سے مقالات خطیب اعظم کے نام سے طبع کیا گیا تھا۔

رفیق بانیٔ تنظیم رئیس الواعظین مولانا سید کرار حسین صاحب مرحوم طاب ثراہ سابق سکریٹری ادارہ نے ان مقالات کے مقدمہ میں لکھا تھا کہ

"یہ وہی مقالات ہیں جنھوں نے مذہبی تاریخ کا رخ موڑا ہے دل و دماغ میں دینی انقلاب پیدا کیا ہے۔ غیر ذمہ دارانہ تحریروں اور بے سواد و بے مغز تقریروں کے بگاڑے ہوئے اور بے راہ روی کا شکار ہونے والے افراد کو اسلامی فکر عطا کی ہے۔

انداز تحریر کی سادگی، برجستگی، روزمرہ کا استعمال، سلاست اور روانی ان مقالات کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہ مقالات ایسی سبیلیں ہیں جن سے دل و دماغ سیراب ہوتے ہیں۔ ہلکے پھلکے الفاظ کے دامن میں مختلف علوم کے دقیق معانی و مطالب کی ایک دنیا آباد ہے۔ ان تحریروں نے جہاں کم پڑھے لکھے سیدھے سادے عوام کو علم و عمل کی روشنی عطا کی ہے وہیں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد دانشور، ادیب، شاعر اور جدید ذہن رکھنے والے لوگوں کی سوچ کا رخ بدلا ہے۔"

مقالات کی افادیت اور مذہبی ادب کی کمی پورا کرنے کے لئے خطیب اعظمؒ جو یقیناً ادیب اعظم بھی تھے کے وہ مقالات جو تنظیم المکاتب کے علاوہ دیگر جرائد میں شائع ہوگئے ہیں۔ جمع کر کے شائع کئے جارہے ہیں تاکہ جدید نسل تک بھی یہ پیغام پہنچ سکے۔ اور جدید نسل کے صاحبان قلم کو مذہبی ادب کا نمونہ بھی مل سکے۔ ان مقالات کو اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ سلسلۂ تعلیم بالغان میں اردو ادب کے طور پر انھیں پڑھایا جاسکے۔ امید ہے کہ رسم و رواج سے عاجز اور اسلام محمدی کے شیدائی اہل ایمان ان مقالات سے استفادہ کریں گے۔ والسلام

سیّد صفی حیدر

سکریٹری تنظیم المکاتب، ۱۱ر جنوری ۲۰۰۲ء

مقالات خطیب اعظم
حصہ اول

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
(۱)	مذہب کی واپسی	۵
(۲)	سماجی مذہب یا حقیقی مذہب	۱۰
(۳)	رحمت ورنہ عذاب	۱۴
(۴)	ہم خدا کے بندے ہیں اور رمضان خدا کا مہینہ ہے	۱۸
(۵)	محرم آرہا ہے	۲۲
(۶)	دماغ کا سوئچ آن رکھئے	۲۸
(۷)	آیئے خواب دیکھیں مگر....	۳۵
(۸)	بہترین موت	۴۱
(۹)	واپسی	۴۷
(۱۰)	شارٹ کٹ	۵۲
(۱۱)	کٹ پیس	۵۷
(۱۲)	ریڈی میڈ	۶۳
(۱۳)	ڈھیل تباہی کی جھیل	۶۷
(۱۴)	زیادہ نہ ہنسئے ورنہ روئیے گا	۷۲
(۱۵)	ان سے بچئے I	۷۶
(۱۶)	ان سے بچئے II	۸۰
(۱۷)	ان سے کچھ نہ کہئے	۸۴

مذہب کی واپسی

ہم کو اپنے کو خوش نصیب قرار دینا چاہئے کہ ہمارے اس عہد میں مذہب کی واپسی کا عمل شروع ہو چکا ہے ۔ مذہب کی واپسی کے عمل کے ظاہری اور غیبی محرکات ہیں ۔ انسان ہر طرح کے اصولوں کو آزما چکا ۔ ہر فلسفہ کو اپنا چکا ۔ ہر پابندی کو قبول کر چکا ۔ ہر طرح کی مطلق العنان آزادی اور بے راہ روی پر گامزن ہو چکا مگر ڈھاک کے تین پات والی صورت حال برقرار رہی ۔ نہ چین تھا نہ چین ہے ۔ نہ چین ملنے کی امید ہے ۔ سکون کا پیاسا در در مارا پھرا مگر نہ صرف پیاسا رہا ۔ بلکہ اس کی پیاس میں شدت کا اضافہ ہوتا گیا ۔ آخر کار تھکا ہارا ۔ انسان اس مذہب کے گھاٹ کی طرف واپس ہونے لگا ۔ جس کو چھوڑ کر اور چھوٹا سمجھ کر سراب کے وسیع و عریض میدان کی طرف اس کی وسعت اور چمک دمک دیکھ کر چلا آیا تھا ۔ گھاٹ پھر گھاٹ ہے ۔ بنے ہوئے راستے ہی سے آنا جانا پڑتا ہے ۔ مگر سراب میں جدھر چاہو چلو کوئی پابندی نہیں ہے ۔ اسی سرابی آزادی نے انسان سے مذہب کا گھاٹ چھڑا دیا تھا ۔ آج سراب کی حقیقت کی معرفت ہی نے مذہب کی واپسی کا عمل شروع کرایا ہے ۔

حقوق انسانی کے سفر کا آج کا آخری سنگ میل "اقوام متحدہ" کرب کدہ بنا ہوا ہے ۔ عیاری ۔ جوڑ توڑ ۔ مکر و فریب کا گڑھ ہے ۔ اور سارے اعمال بد انسانی فلاح انسانی حقوق کے نام پر انجام دیئے جا رہے ہیں جس طرح شکاری چارہ ڈالتا

ہے اسی طرح بڑی طاقتوں نے عالمی بنک عالمی امداد عالمی قرض عالمی عدالت ۔
سلامتی کونسل وغیرہ کے چارے ڈال رکھے ہیں جس کے ذریعہ چھوٹی قوموں کا شکار
ہوتا رہتا ہے مثلاً ان کے خام مال پر قبضہ کرنا ۔ پھر ان ہی کے ہاتھ ان کے مال
کے مصنوعات کو گراں قیمت پر بیچنا ۔ بھوکے انسانوں کو ہتھیار فراہم کرنا تا کہ وہ اپنے
ہی لہو کو پیئیں اپنے ہی گوشت کو کھائیں اور اپنے ہاتھوں مر جائیں ۔ ان کی
سرزمین پر حفاظت علمی مدد ۔ فنی تربیت کے نام پر قبضہ کرنا ، مالکوں کو غلام بنا کر
کام لینا ۔ یہ اور اسی طرح کے ظالمانہ کام اقوام متحدہ کے ذریعہ آج کے مکار انسان
انجام دے رہے ہیں ۔ جس پر پڑتی ہے وہ محسوس کرتا ہے ۔ جو ابھی چارہ کھانے
میں مشغول ہے وہ فکر مستقبل سے بے نیاز ہے اور مگن ہے ۔ جب چارہ ختم ہو گا
تب محسوس کرے گا ۔ اس عالمی عیار خانہ کے خلاف صرف ایران ہے ، جو حقائق کو
بے نقاب کرتا رہتا ہے ۔ اکیلا مظلوموں کو متحد ہونے کے لئے پکارتا رہتا ہے ۔ چونکہ
ایران کا جسم و قلب و دماغ سب مجروح ہو چکا ہے لہٰذا اس کو پوری طرح ہر مظلوم
کے دکھ درد کا احساس ہے ۔ اور اسی احساس کو وہ اپنے خون کی قیمت میں ہر مظلوم
کے خون میں دوڑا دینا چاہتا ہے ۔ کچھ کو ہوش آنے لگا ہے ۔ کچھ کان کھڑے کرنے
لگے ہیں ۔ کچھ نے سفر شروع کر دیا ہے ۔ لیکن صدیوں کے عالمی استحصال کے
مقابلہ میں ایران کی چند سالہ کوششیں ابھی محسوس بھی نہیں ہوتی ہیں ۔ جب کہ
سارے ذرائع ابلاغ ایران کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں اور ایران نے
اپنے لہو کے قطرات کے گرنے کی آواز کو اپنا ذریعہ ابلاغ بنا رکھا ہے ۔ فی الحال اور
کوئی ذریعہ اس کے لئے ممکن بھی نہیں ۔ بہر حال یہ ایرانی لہو کی ٹپ ٹپ انسانوں
کو جگا رہی ہے ۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ پہاڑہ جتنا بڑھتا ہے حاصل ضرب اتنا
ہی زیادہ آتا ہے دو کا دو گنا چار ہوتا ہے اور ہزار کا دو گنا دو ہزار ہوتا ہے ۔ گنا

نہیں بڑھتا ہے وہ دوگنا ہی رہتا ہے مگر دو کا حاصل صرف اکائیوں میں گنا جاتا ہے اور ہزار کا حاصل ضرب ہزاروں اور لاکھوں میں گنا جاتا ہے اسی طرح کام کا آغاز مشکل ہوتا ہے۔ رفتار سست ہوتی ہے۔ ماحصل کم ہوتا ہے۔ قربانی شدید و عظیم ہوتی ہے۔ لیکن جب کام چل نکلتا ہے تو مکہ کے تیرہ سال کے مسلمان تین سو بھی نہیں ہوتے ہیں اور مدینہ کے دس سال کے مسلمان لاکھوں ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح انشاء اللہ وہ دن دور نہیں ہے جب مذہب کی واپسی کا یہ ہلکا پھلکا عمل جو اس وقت سست رفتاری سے جاری ہے وقت آنے پر سیلابی اور طوفانی بنے گا۔ یہ مذہب کی واپسی کے ظاہری محرکات کی طرف چند اشارے تھے جو اس تحریر میں کئے گئے، اور غیبی محرک جو اصلی محرک ہے وہ عہد ظہور مہدیؑ کی روز بروز قربت ہے۔

چنانچہ کل جن باتوں کا سنانا۔ بتانا ناممکن تھا آج وہ شوق سے سنی اور سمجھی جا رہی ہیں۔ جن باتوں سے کل روکنا ناممکن تھا اور مذہب خس و خاشاک کی طرح بدکرداری کے سیلاب میں بہتا دکھائی دے رہا تھا۔ آج اس سیلاب سے نفرت ہو چکی ہے مذہب جسے کل خس و خاشاک سمجھا جاتا تھا آج اسی سے نشیمن کی تعمیر کی جا رہی ہے۔ انسان کی فطری محبت و فطری نفرت اجاگر ہو رہی ہے۔ ایسے موقع پر فطرت کی صحیح راہ نمائی بے حد ضروری ہے بے حد مفید ہے اور یہ رہبری سوائے اسلام کے سوائے اقوال معصومؑ کے۔ سوائے احکام معصومؑ کے کوئی نہیں کر سکتا۔

لیکن اس تاریخی حقیقت سے ایک سکنڈ کے لئے آنکھ بند نہ ہونا چاہئے کہ جتنے ظلم شاہی و شاہنشاہی نے کئے۔ اس سے زیادہ ظلم آزادی جمہوریت سوشلزم۔ کمیونزم نے کئے ہیں اور ان سب نے مل کر جتنے ظلم کئے ہیں مذہب

کے نام پر مذہب کی آڑ میں وہ سارے مظالم عیار مذہبی سربراہوں نے کئے ہیں۔ تمام مذاہب نے جتنی برائیاں غلطیاں اور مظالم کئے ہیں ان کی ساری نظیریں اسلام کے دامن پر بھی موجود ہیں یعنی واقعات و حالات و تاریخ کے آئینہ میں مذہبیت و لامذہبیت۔ مادیت و روحانیت۔ شاہی و آزادی سرمایہ داری اور کمیونزم سب کی صورت بالکل ایک طرح کی ہے اور یکساں ہے۔

صرف صدیوں کا عالمی مظلوم یعنی دین اہلبیت علیہم السلام جو دین الٰہی ہے جو دین محمدی ہے۔ جو اصلی اسلام ہے جو کسی تاریخ کو اپنی تاریخ ماننے پر تیار نہیں ہے۔ اس کی تاریخ چودہ مظلوم معصوموں کی تاریخ ہے یا ان شہداء علماء صالحین اور متقی افراد کی تاریخ ہے جنھوں نے اپنی فکر کو اپنے علم کو اپنے ذہن کو اپنے عقیدہ کو فکر معصوم کے تابع رکھا اور جنھوں نے عمل کی دنیا میں ہر سانس لینا اسی وقت جائز سمجھا جب اس کے جواز کو معصوم کی سند حاصل ہوئی مختصر یہ کہ تاریخ مذہب اہلبیتؑ ۱۴ معصوموں کی تاریخ ہے۔ علماء شہداء صالحین کی تاریخ ہے۔ کسی شیعہ حاکم کی تاریخ بھی نہیں ہے چاہے وہ مصر میں رہے ہوں یا ایران میں یا ہندوستان میں۔

ساری تاریخ میں صرف یہی تاریخ ہے جس کے دامن پر غیر کے خون کے دھبے نہیں ہیں اس لئے اس کے جسم پر غیروں کے لگائے ہوئے بے حساب زخم ضرور ہیں۔ لہٰذا نشر حقوق کے ساتھ پوری قوت کے ساتھ نشر مذہب اہلبیت علیہم السلام بھی ضروری ہے۔ ورنہ اگر قانون نافذ نہ ہوا تو قانون کا کوئی فائدہ نہیں تاریخ دین اہلبیت علیہم السلام میں قانون حقوق بشر ہمیشہ نافذ رہا ہے اور آج کا اسلامی ایران پھر اسی نفاذ کے لئے قربانیاں دے رہا ہے۔

آخر کلام میں اس بنیادی بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ قوت نافذہ

نہ قانون ساز اداروں کے پاس ہے نہ انتظامیہ اور عدلیہ کے پاس ہے نہ قومی حکومت کے پاس ہے نہ بین الاقوامی تنظیموں اور اداروں کے پاس ہے نہ نام مذہب میں ہے نہ اسلام کے نام میں۔ اول و آخر قوت نافذہ و عقیدہ خدا و آخرت میں ہے۔ اسی عقیدہ سے مذہب اہلبیتؑ شروع ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق اس نے صدیاں طے کی ہیں اور اسی عقیدہ کے ذریعہ پوری انسانیت کو سکون دینے والا ظہور کرنے والا ہے۔ عہد ظہور۔ عہد ظہور نہیں ہے۔ بلکہ بے چین انسانیت کی عالمی آرامگاہ ہے جس پر عقیدہ خدا و آخرت سایہ فگن ہے۔

باتیں بے حد اچھی ہوں تب بھی بیکار ہیں جب تک باتیں کرنے والے خود کو اچھائی کا نمونہ نہ بنالیں۔ کیا ہم غلامان اہلبیت علیہم السلام نے اپنے کو نمونہ بنانے کا ارادہ کرلیا ہے اگر ارادہ کرلیا تو بسم اللہ عمل شروع ہوجانا چاہئے۔

سماجی مذہب یا حقیقی مذہب

زندگی کے بہاؤ کا نام سماج ہے بہاؤ پانی کی فطرت ہے لیکن بہاؤ کو حد کے اندر بھی رکھا جا سکتا ہے اور حد سے باہر بھی بہنے کا موقع دیا جا سکتا ہے۔ بہاؤ تیز بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور اس کی رفتار کو کم بھی کیا جا سکتا ہے۔ بہاؤ کو تقسیم بھی کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح دریا سے بڑی نہر اور بڑی نہر سے چھوٹی نہریں نکالی جاتی ہیں۔ اور بہاؤ کو یکجا بھی کیا جا سکتا ہے جیسے مختلف دریاؤں کو ایک دریا میں ملا دیا جاتا ہے۔ بہاؤ کو کبھی روکا بھی جاتا ہے۔ اور کبھی رکاوٹوں کو دور بھی کیا جاتا ہے کبھی پانی کی سطح اونچی کی جاتی ہے، کبھی سطح کو نیچا لایا جاتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ پانی کی فطرت ہے نشیب کی طرف بہنا لیکن اس فطرت کو سلیقے کے ذریعے مفید بنایا جا سکتا ہے اور بیش از بیش فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اور بدسلیقی کے باعث پانی کا فطری بہاؤ بے شمار تباہیاں بھی لا سکتا ہے۔ فطرت اور اس کے استعمال کا سلیقہ دو چیزیں ہیں۔ فطرت میں انسانی عمل کو دخل نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ خالق کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ لیکن اس کے استعمال کا سلیقہ وہ کام ہے جس میں انسانی عمل کو بڑا دخل ہے۔ عمل کو بدسلیقگی سے بچانے کے لئے اور سلیقہ سکھانے کے لئے تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ انسان کتنا ہی باکمال کیوں نہ ہو جائے پھر بھی

ناقص ہی رہتا ہے ۔ لہٰذا اس کی تعلیم و تربیت بھی ناقص رہے گی ۔ اسی بنا پر ہم ہمیشہ اپنے نظام تعلیم، نصاب تعلیم، انداز تعلیم، مقاصد تعلیم پر نتائج تعلیم کے پیش نظر نظر ثانی کرتے رہتے ہیں ۔ کیونکہ انسانی نظریات اور اصول ہمیشہ تجرباتی دور میں رہیں ہیں اور رہیں گے اس انسانی کمزوری کو دور کرنے کے لیے خدا نے مذہب بھیجا ۔ کیونکہ کامل کا بھیجا ہوا نظام بھی کامل ہوگا ۔ اور جب اس کے لانے والے، سمجھانے والے، پھیلانے والے بھی معصوم ہیں ۔ تو نظام بھی کامل ہے ۔ اور اس نظام کی تعلیم و تربیت بھی نقائص سے پاک ہے ۔

مذہب اسی لئے آیا ہے کہ انسان میں خواہشات کا پیدا ہونا فطری ہے مگر خواہشات کے اس فطری بہاؤ کو حدود میں رکھنا ضروری ہے، ان حدود کے مجموعہ کا نام شریعت ہے اور عربی زبان میں شریعت کے معنی بھی گھاٹ اور کنارہ کے ہیں ۔ شریعت کا کام یہی ہے کہ انسانی خواہشات کے ذریعہ بیش از بیش انفرادی اور اجتماعی فوائد حاصل کئے جائیں ۔ اور خواہشات کے حرص و ہوس بن جانے کے بعد جو انفرادی ۔ خاندانی، نسلی، قومی، بین الاقوامی تباہیاں آتی ہیں ۔ جن کے اثرات صدیوں اور ہزاروں سال باقی رہتے ہیں کہ تباہیاں تباہیوں کو پیدا کرتی رہتی ہیں بلکہ تباہیوں کا شجرہ چل پڑتا ہے اور تباہیوں کی نسلیں پیدا ہوتی رہتی ہیں ۔ ان عظیم و عریض و طویل تباہیوں سے انسان کو اور انسانی معاشرہ کو بچانا بھی دین اور شریعت کا کام ہے ۔ لیکن شریعت کا فائدہ اسی وقت حاصل ہوگا اور دین کا مقصد اسی وقت پورا ہوگا ۔ جب انسان کی انفرادی زندگی اور انسانی معاشرہ دین اور شریعت کا پابند ہوگا ۔

مگر بجائے اس کے کہ ہم اور ہمارا سماج مذہب کا پابند ہوتا ہم نے دین کو اپنی خواہشات کا پابند بنانے کے لئے سماج کو مذہب پر حاوی کر دیا ہے آج ہم مذہب سے بالکل آزاد ہو چکے ہیں۔ ہر حرام حلال ہے۔ ہر واجب ترک ہے ہر مستحب مکروہ ہے۔ اس کے برخلاف سماج جس مباح بلکہ حرام کام کو واجب کر دے اس کا بجا لانا واجب ہے۔ ہم مذہبی شعور کھو چکے ہیں۔ جہالت عیب ہے۔ مگر دین سے جہالت کا اظہار اعلیٰ سوسائٹی کی ممبری حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ حد یہاں تک آپہنچی ہے کہ ہم دین کو مانتے ہیں اور اس پر معترض ہونے کو دینی حق تصور کرتے ہیں۔ دینی احکام کا مضحکہ اڑانا اور مسلمان ہونا اگرچہ متضاد باتیں ہیں۔ مگر ہر ترقی پسند مسلمان اس تضاد کا مجسمہ ہے اور تمام مسلمان اسی ترقی پسند مسلمان کا اتباع کرنا اپنے لئے لازم سمجھتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سماج میں جس چیز کو واجب سمجھ لیا گیا ہے۔ اس کو بہر حال انجام دیا جائے گا چاہے مذہب اس کو لاکھ حرام بتائے۔

اس بیماری کا علاج یہ ہے کہ ہم دین کی تعلیم حاصل کریں اور دینی واقفیت کو سماج میں رائج کریں تاکہ سماج اور دین میں کتنا فاصلہ ہے اور کتنا تضاد پیدا ہو چکا ہے۔ اس کا احساس ہمارے سماج کو ہو جائے اور اس احساس کو تعمیری شکل دینے کے لئے لازم ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو حقیقی دین کا پابند بنائیں۔ اس طرح ہم اس سماجی دین سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جو سماجی دین نہیں ہے بلکہ وہ بے دینی ہے۔ جس کو سماج نے اختیار کر لیا ہے اور شعور دین کو بے حس و مفلوج رکھنے کے لئے اس بے دینی کو مذہب کا لباس پہنا دیا

گیا ہے اٹھئے اور اس لباس کو نوچ کر پھینک دیجئے تاکہ بے دینی کی مکروہ صورت سب کے سامنے آجائے اور دینی تعلیم کو عام کیجئے۔ تاکہ اس کی روحانی اور پاکیزہ صورت سب کے سامنے آجائے اور ہمارے معاشرے کا ہر فرد عاشق دین بن جائے۔

رحمت ورنہ عذاب

پرچہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا تو ماہ مبارک رمضان شروع ہو چکا ہوگا۔ کچھ مسلمان بغیر روزہ کے رمضان کی توہین کریں گے۔ اور کچھ مسلمان روزہ رکھ کر رمضان کا سامنا کریں گے۔ بہت کم ہوں گے بہت ہی کم ہوں گے وہ مسلمان جو ماہ رمضان کا جون کی سخت گرمی میں استقبال کریں گے۔ اگرچہ ہمارے ہادی و رہبر و مولی و آقا جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے تھے مجھے روزہ پسند ہے گرمی کا اور جہاد پسند ہے تلوار کا۔

جناب عیسیٰؑ نے اپنی مادر گرامی کو زندہ کرکے پوچھا آپ دنیا میں واپس آنا چاہتی ہیں یا نہیں تو آپ نے فرمایا ضرور واپس آنا چاہتی ہوں لیکن صرف اس لئے کچھ نمازیں سخت ٹھنڈی راتوں میں پڑھ سکوں اور کچھ روزے سخت گرم دنوں میں رکھ سکوں۔ جناب مریم سخت روزہ اور مشکل نماز کا استقبال کر رہی ہیں اور مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام سخت گرمی کے شدید روزہ کے لئے پرشوق نظر آتے ہیں۔ کیا حضرت علیؑ اور جناب مریم کے اقوال صرف سن لینے کے قابل ہیں۔ اور یہ کہنا کافی ہے کہ قابل تعریف ہیں یہ اقوال یا خوب فرمایا ہے یا ایمان میں تازگی اور جلا پیدا ہوتی ہے ان اقوال سے یا یہ حضرت ہی فرما سکتے تھے یا اس فقرہ سے

آپ کے جذبہ عبادت وراہ خدا میں آپ کی مشکل پسندی واضح ہوتی
ہے وغیرہ وغیرہ تعریفی اقوال اور ریارک سے نہ ان حضرات سے
عقیدت ووابستگی کا حق ادا ہوتا ہے اور نہ ان اقوال ہی کا حق ادا
ہوتا ہے۔ حق ادا کرنا ہے تو ان اقوال کا ہمارے انداز فکر پر اور رفتار
عمل پر اثر پڑنا چاہئے۔ یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ ہم کو شکر خدا ادا کرنا چاہئے
کہ ہم کو ایک عظیم عبادت کی انجام دہی کا موقع مل گیا اور ہم کو غیر معمولی
ثواب حاصل کرنے اور اپنے گناہوں کو معاف کرانے کا موقع مل گیا۔
احکام خدا کی تعمیل سے فرار آج مزاج مسلم بن گیا ہے۔ نماز ہے تو سرپٹ
پڑھی جارہی ہے نہ قرأت درست نہ سانس درست نہ قیام وقعود درست
نہ واجبات ادا نہ ارکان کی واقفیت۔ نماز کیا پڑھ رہے جیسے کسی دوسرے
کی طرف سے پڑھ رہے ہیں کہ کسی طرح ختم ہو۔ نماز پڑھتے وقت معلوم
ہوتا ہے کوئی پیچھے ڈنڈا لئے دوڑا آتا ہے لہذا جی جان چھوڑ کر تیز سے تیز
نماز پڑھی جارہی ہے۔ سچ ہے شیطان تو ہمات کا ڈنڈا لئے دوڑا آرہا ہے
تاکہ کہیں جذبہ عبودیت ان کو اپنی گرفت میں نہ لے لے۔ ہم نماز میں بھی
شیطان ہی کی اطاعت کر رہے ہیں یہ ہے ہماری بدنصیبی کی حد۔ فطرہ کم سے
کم قیمت کا نکلے۔ اور کم سے کم نکلے بلکہ نہ نکلے تو بہتر ہے۔ زکوٰۃ کسی نہ کسی
طرح واجب نہ ہونے پائے۔ خمس سے بچ نکلیں اور بچ نکلنے کے لئے تاریخ
خمس سے پہلے خرچ کرلیں۔ کسی کو قرض دیدیں۔ غرضکہ کچھ کرلیں مگر فطرہ
زکوٰۃ۔ خمس سے فرار کا موقع مل جائے۔ یہ اور اسی طرح کی بہت سی مثالیں
اس کا ثبوت ہیں کہ احکام خدا سے فرار آج مزاج مسلم بن چکا ہے۔ فرار
کی پہلی منزل واجب سے بچ نکلنے کی کوشش ہے اور آخری منزل واجب

ترک کرنے کی ہے بلکہ بحث کرنے کی ہے کہ آخر اس گرمی میں اس روزہ کا کیا فائدہ ۔ اس لئے کہ دنیاوی منفعت ۔ اور مادی فائدہ کے علاوہ تو کوئی فائدہ غیب پر ایمان لانے والے مسلمان کی نظر میں ہے ہی نہیں ۔ وہ روحانی مذہب کو بھی صرف مادی حد تک مانتا ہے ۔ نذر چکھنے میں بڑی عقیدت کا اظہار کرتا ہے ۔ نذر کھانے میں شفا ثواب سب ہی کچھ مانتا ہے ۔ لیکن روزہ رکھنے میں نہ صرف قانون شکن ہے بلکہ قانون صوم پر بھرپیٹ معترض ہے ۔ اور قانون شکنی کا پرجوش حامی ہے لیکن جاہل کا جہالت پر مصر رہنا ۔ مریض کا بدپرہیزی پر جان دینا بچہ کا ضد کرتے رہنا ۔ بری عادتوں کے لتی افراد کا اپنی عادتوں پر باقی رہنا ہر طرح برا ہے ۔ قابل مذمت ہے تو مسلمان کا دین سے جاہل رہنا ۔ احکام دین سے روگردان رہنا ۔ بے نمازی کا بے نمازی رہنا ۔ روزہ خوروں کا روزہ خور رہنا ۔ مالی واجبات ہڑپ کرنے والوں کا مال خدا و رسولؐ و امامؑ کو ہڑپ کرتے رہنا بھی ہر طرح برا ہے ۔ قابل مذمت ہے ۔ قابل نفرت ہے ۔ لہذا تبدیلی آنا چاہیئے ۔ تبدیلی لانا چاہیئے ۔ تبدیلی لانے میں حصہ لینا چاہیئے ۔

ماہ رمضان رحمت کا مہینہ ہے ۔ افطاری وسحری کی رحمت سے رمضان کی رحمتوں کو نہ ناپئے ۔ بلکہ گناہوں کی معافی مل جانا ۔ رکی ہوئی دعاؤں کا قبول ہو جانا ۔ نفس میں نافرمانی سے نفرت پیدا ہو جانا قلب و دماغ میں خدا کی اطاعت کے جذبہ کا بڑھ جانا ۔ یہ وہ عظیم رحمتیں ہیں ۔ جن کی بنا پر یہ مہینہ رحمت کا مہینہ قرار دیا گیا ۔ اب یہ ہماری توفیق پر منحصر ہے کہ ہم ان رحمتوں کو حاصل کرتے ہیں یا رمضان میں روزہ نہ

رکھ کر اپنے لئے عذاب ہی عذاب مول لیتے ہیں ۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں ہر وہ دن عید کا دن ہے جو گناہ کے بغیر بسر کیا جائے اور عید تب ہی عید ہے جب ہمارے اعمال کو خدا قبول کرلے ۔ لیکن اگر اعمال ہی نہ ہوں بلکہ بداعمالیاں ہی بداعمالیاں ہوں تو پھر رحمت کے بجائے عذاب ہی عذاب کو ہم سمیٹ رہے ہیں ۔ کیا کبھی ہم نے سوچا کہ جس دن یہ بے پناہ عذاب ہمارے سامنے آئے گا اس دن ہمارے لئے نہ طاقت برداشت ہوگی نہ جائے پناہ ۔ لہٰذا آج ہی ہماری روش بدل جانا چاہیئے ۔ رحمت کے دروازے کھلے ہیں ۔ توبہ کریں اور روزے رکھیں ۔ استغفار کریں اور اعمال قبول کرائیں ۔

ہم خدا کے بندے ہیں اور رمضان خدا کا مہینہ ہے

غیر اسلامی خیالات نے آج مسلمان کے ذہن پر اتنا قبضہ کر لیا ہے کہ ہم دین کو ہلکا سمجھتے ہیں ہم کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم دین ہلکا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ احکام اسلامی خصوصاً عبادات کا ذکر ہمارے درمیان اس طرح ہوتا ہے کہ جب خدا کا حکم ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور ہونا چاہئے لہذا اس عبادت کا فائدہ کیا ہے۔ اس حکم خدا کا سبب کیا ہے۔ اس کے بعد ہمارا دوسرا قدم اٹھتا ہے کہ ہم احکام الٰہی کا فلسفہ بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ نماز کا فلسفہ۔ روزہ کا فلسفہ حج کا فلسفہ سود۔ گانا۔ لہولعب وغیرہ کے حرام ہونے کے فلسفے۔ وغیرہ وغیرہ۔ بات جب فلسفہ پر آگئی تو ہر انسان کو بولنے۔ سوچنے کا موقع مل گیا اور دین کھلونا بن گیا۔ حالانکہ ۹۹ فیصدی صرف احکام بیان ہوتے ہیں اور ایک فیصدی احکام کے اسباب و نتائج بیان ہوئے ہیں۔ جبکہ اسباب و نتائج کی روشنی میں ہی فلسفہ مرتب ہو سکتا ہے۔

یہ بات قابل اعتراض نہیں ہے کہ ۹۹ فیصدی احکام بغیر فلسفہ کے اور بغیر اسباب و نتائج کے تذکرہ کے کیوں بیان ہوتے ہیں

ساری دنیا کا نظام اسی اصول اور انداز پر ہے ہر معمار۔ ہر بڑھئی۔ ہر مستری۔ ہر انجینیر۔ ہر ڈاکٹر۔ ہر وکیل۔ ہر منتظم مختصر یہ کہ ہر کام کرنے والا۔ ہر ماہر صرف احکام صادر کرتا ہے کہ یہ لاکر دو۔ اس طرح کرو۔ اس طرح بولو مگر اپنے عمل اور حکم کی وجہ ہر قدم پر بیان نہیں کرتا۔ بلکہ جب کبھی کوئی ایسا مسئلہ آجاتا ہے کہ وجہ تبلائے بغیر عمل نہ ہوگا یا عمل سست ہوگا یا خرابی پیدا ہوگی تو وجہ بیان کی جاتی ہے اور نتائج سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ مذہب بھی اسی اصول پر صرف احکام دیتا ہے اور اپنے ماننے والوں سے یہ امید رکھتا ہے کہ ایمان کی بنیاد پر ان کو حکم دینا کافی ہے۔ اسباب و نتائج سے آگاہ کرنا نہ ضروری ہے نہ ممکن ہے نہ مناسب ہے۔ البتہ جب ضرورت ہوتی ہے تو اسباب اور نتائج بھی بیان کر دیتا ہے۔ ورنہ ہر عبادت کی بنیاد صرف حکم الٰہی ہے۔ احکام الٰہی کے مجموعہ کا نام شریعت ہے۔ ہم جب معاملات میں عمل کی بنیاد صرف حکم خدا کو قرار دیتے ہیں تو عبادات میں بدرجہ اولیٰ پورے عمل کی بنیاد کو صرف حکم خدا ہونا چاہیے مثلاً ہم سودی معاملات نہیں کر سکتے۔ نکاح اور طلاق میں صیغہ کا جاری کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ طلاق میں گواہوں کا ہونا لازم جانتے ہیں۔ بوقت طلاق عورت کا پاک ہونا ضروری جانتے ہیں۔ جب ان سارے معاملات کی وجہ اور بنیاد صرف حکم خدا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ نماز۔ روزہ۔ حج زکوٰۃ۔ خمس۔ جہاد۔ امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر۔ تولا۔ تبرا۔ اعتکاف عمرہ۔ قربانی وغیرہ میں ہم وجہ تلاش کریں اور وجہ کی بنیاد عبادت قرار دے کر ایک کرور کی چیز کو ایک کوڑی میں فروخت کر دیں۔ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے سے بڑی کون چیز ہو سکتی ہے۔ ہم اس

دنیا میں مالداروں - افسران - مشہور افراد - با اثر حضرات علماء - دانشور والدین - اعزہ - احباب - پڑوسی حتیٰ کہ اپنے ملازم اور نوکر کی خوشنودی کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جس کی جیسی حیثیت ہوتی ہے اتنی اہمیت اس کی خوشنودی حاصل کرنے کو دیتے ہیں تو پھر خدا جو سب سے بڑا ہے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کو ساری دنیا کے کاموں میں سب سے زیادہ اہم کیوں نہ قرار دیں جبکہ خدا کے بعد جتنے بڑے ہیں نبیؐ - امامؑ سب کی خوشنودی بھی خدا کی خوشنودی کے حاصل ہونے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے -

لہذا عبادت کی وجہ صرف حکم خدا ہونا چاہئے اور عبادت کی انجام دہی صرف خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لئے ہونا چاہئے - جبکہ یہ خوشنودی نور بالائے نور اور خوشنودی بالائے خوشنودی بھی ہے - کہ خدا خوش تو نبیؐ و امامؑ سب خوش ورنہ سب ناراض - ایسی صورت میں مثلاً نماز صبح جلد اٹھنے اور سہانے موسم سے لطف اندوزی کے لئے پڑھنا اور روزہ درستی صحت کے لئے رکھنا کروروں کی چیز کو کوڑیوں کے مول کر دینا نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ ایک کرور کی کرنسی کے ساتھ اگر ایک کوڑی بھی ہم رکھدیں تو اس نازیبا حرکت کو عقل اپنی توہین قرار دے گی - اسی بنا پر اگر عبادت میں خوشنودی خدا کے ساتھ کوئی دوسری نیت وجذبہ وخیال واحساس شامل ہو جائے تو خدا ایسی عبادت کو واپس کر دیتا ہے اور ہرگز قبول نہیں کرتا ہے -

ہم صرف خدا کے بندے ہیں - اس کے علاوہ نہ کسی نے ہم کو عقل دی ہے نہ حیات - نہ احساس دیے ہیں نہ جذبات - نہ آج خدا

کے علاوہ کوئی روزی دیتا ہے نہ کل اس کے علاوہ کسی کے قبضہ میں موت ہوگی ۔ ہماری حاضری بھی اسی کے سامنے ہوگی اس وقت صرف اس کی خوشنودی ہمارے کام آئے گی نہ کوئی فلسفہ کام دے گا نہ کسی کی عقل ۔ نہ کسی کی تقریر و نکتہ آفرینی نہ کسی کی تحریر اور علمی موشگافی ۔ نہ کسی کا شعر کام آئے گا نہ کسی کا ادبی شہ پارہ ۔ بلکہ ان سب کی حالت عام لوگوں سے بھی بدتر ہوگی ۔ لہذا ہر حکم خدا کی تعمیل کیجئے ۔ واجب کو ادا کیجئے حرام سے بچئے مستحب ہو تو شوق ادائگی پیدا کیجئے ۔ مکروہ ہو تو احساس کراہت تازہ دم رکھئے ۔ ماہ مبارک آگیا ہے جو کچھ بن سکے اس ماہ میں کر ڈالئے جو کچھ حاصل کر سکتے ہیں اس سے غفلت نہ برتئے ۔ روزہ دار کی نیند عبادت ہے ۔ خاموشی تسبیح ہے ۔ اس ماہ میں دعائیں قبول ہوتی ہیں ۔ ہر عمل کا ثواب کئی گنا ملتا ہے ۔ یہ مہینہ ہمیں صبر کی مشق کراتا ہے ۔ امیر کو غریب کے دکھ کا احساس دلاتا ہے ۔ مومنین میں قوت ایثار کو ابھارتا ہے اس مہینہ میں روزی زیادہ کی جاتی ہے مگر صرف مومنین کی روزی نہ کہ بدعقیدہ و بدعمل افراد کی روزی اس ماہ میں ۳ تاریخ کو صحف ابراہیمؑ ۔ ۶ کو توریت ۔ ۱۳ کو انجیل ۔ ۱۸ کو زبور اور شب قدر میں قرآن مجید نازل ہوا ہے ۔ اس ماہ کے پہلے دس دن رحمت کے ہیں ۔ دوسرے دس دن مغفرت کے ہیں اور آخری دس دن دعاؤں کے قبول ہونے کا اور دوزخ کے نجات حاصل کرنے کا زمانہ ہیں ۔

اوپر لکھی تمام باتیں ارشاد رسولؐ و ائمہ علیہم السلام کے مطابق لکھی گئی ہیں تاکہ اس ماہ میں جم کر عبادت کرنے ۔ ثواب لوٹنے ۔ دوزخ سے نجات حاصل کرنے اور دعاؤں کو قبول کرانے کا جذبہ ہر روزہ کے ساتھ بڑھتا جائے ۔

محرم آرہا ہے

ہمارے سماج کی پریشانیوں میں سے ایک پریشانی یہ بھی ہے کہ محرم آرہا ہے۔ بلکہ عورتیں رجب کے مہینہ سے ٹھنڈی سانس لے کر یہ کہنا شروع کر دیتی ہیں کہ بس اب محرم ہی خرچ کا زمانہ آرہا ہے رجب میں کونڈے کرنا ہیں۔ شعبان میں شبرات کرتا ہے۔ رمضان میں افطاری سحری کا انتظام کرنا ہے اگر بے روزہ گھرانہ ہے تو اُسے افطاری۔ سحری کی فکر نہ سہی مگر عید کی فکر تو بہر حال ہوتی ہے۔ اور وہ فکر عید میں روزہ داروں سے زیادہ رمضان میں دُبلے ہو جاتے ہیں۔ اللہ اللہ کر کے رمضان ختم ہوا عید میں بچوں کے کپڑے سینے کے انتظام سے چھٹی ملی تو فطرہ کی فکر کھائے جاتی ہے۔ فطرہ ہی وہ خوش نصیب دینی حکم ہے جس پر زیادہ سے زیادہ مومنین عمل کرتے ہیں۔ کیونکہ ثواب کے علاوہ فطرہ جان کی حفاظت کرتا ہے۔ اور عہد حاضر کا مومن دین کو بھی دنیا کے لئے مانتا ہے۔ جب چاہے تجربہ کر لیجئے دس نمازیں۔ بیس دعائیں۔ تیس سورے بتائیے جن کے ذریعہ گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ ایک مومن بھی آپ سے پوچھنے نہ آئے گا۔ کہ کیا بیان کیا تھا۔ لیکن اگر بیان کیجئے کہ نماز عشار کے بعد پابندی سے سورہ واقعہ پڑھنے والے کو روزی کی تنگی کبھی نہ ہوگی تو مرد تو مرد عورتیں بچوں کو بھیج کر پوچھیں گی۔ کہ اس سورہ کا نام لکھوالاؤ۔

کس پارہ میں ہے؟ یہ بھی پوچھ لینا۔ ہم آپ کو بغیر پوچھے بتائے دیتے ہیں ستائیسویں پارہ میں ہے۔ پڑھ کر دیکھئے انشاء اللہ روزی کی پریشانی نہ ہوگی۔ اگرچہ فطرہ کو محافظ جان ہونے کی وجہ سے مقبولیت حاصل ہے۔ مگر پھر بھی فطرہ اللہ کی راہ میں نکالنا ہے۔ لہٰذا مومنین کی سالانہ حساب فہمی کا قومی مظاہر فطرہ کی قیمت طے کرتے ہیں ہوتا ہے۔ فطرہ میں تین کلو گیہوں یا جو دینا ہیں۔ جو گیہوں یا جو نہ دے سکے وہ اتنی قیمت دے جتنے قطرہ پانے والا ۳ کلو گیہوں یا جو خرید سکے۔ فطرہ پانے والا بازار سے خریدے گا۔ فطرہ لگانے والا سرکاری غلّہ کی دوکان کا نرخ لگائے بیٹھا ہے۔ فطرہ لینے والے کو آج خریدنا ہے جبکہ غلّہ مہنگا ہو چکا ہے مگر دینے والے نے چونکہ فصل پر سستا خریدا تھا لہٰذا وہ اسی بھاؤ سے قیمت لگانا چاہتے ہیں۔ سو کا سیدھا جواب یہ ہے کہ گیہوں یا جو دیدیجئے۔ قیمت کے چکر میں نہ پڑیے۔ مگر ماہرین حساب جمع ہوتے ہیں۔ ایک کہتا ہے ۵ روپیہ ۱۲ پیسے ہوتے ہیں۔ دوسرا کہتا ہے ۵ روپیہ ۱۱ پیسے ہوتے ہیں۔ ۲۲ رمضان سے بحث شروع ہوتی ہے۔ عید گذر جاتی ہے مگر حسابی مہارت کا لوہا منوانے والے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ سوچئے اگر دو نئے پیسے خدا کی راہ میں زیادہ ہی چلے گئے تو کیا حرج ہے۔

مگر ریٹائرڈ اکاؤنٹینٹ مُصر ہیں کہ نہیں جناب حساب حساب ہے جُو۔ جَو جَو ہوتا ہے۔ بخشش کی بات الگ ہے۔ وہ سو سو ہو سکتی ہے۔ مگر کوئی ان سے پوچھے۔ آپ اپنے لئے کیا پسند کرتے ہیں خدا جَو جَو کا حساب لے یا سَو سَو کی بخشش کرے۔ جو اپنے لئے پسند کیجئے وہی روش راہِ خدا کے لئے اختیار کیجئے۔ مگر ہماری بدنصیبی یہی ہے کہ عید کے لئے کپڑے۔

جوتے ۔ سوئیاں تک کوشش کر کے اچھی خریدیں گے کہ جب لینا ہی ہے
تو اچھی چیز لو ۔ کچھ پیسے زیادہ لگ جائیں تو بھلے لگ جائیں مگر چیز تو ڈھنگ
کی ہو ۔ مگر فطرہ کے ذریعہ ڈھنگ کا ثواب لینے کی فکر کسی کو نہیں فطرہ
اس طرح دیتے ہیں جیسے ثواب دوسروں کو ملے گا ۔ اور عید کا سامان اس
طرح خریدتے ہیں جیسے جنت بس یہی سامان عید ہے ۔ فطرہ نکال کر ایک
مہینہ خالی بیٹھے ۔ کیونکہ خالی کا مہینہ آگیا ۔ ہمارے معاشرہ میں خالی کے
مہینہ کا بڑا چرچا ہے ۔ اس میں کوخوشی کا کام ہم نہیں کر سکتے اگرچہ خدا نے
آٹھویں امام کو اسی مہینہ میں پیدا کیا ہے ہمارے گھروں میں بھی خالی کے
مہینہ میں بچے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ پیدائش پر ہمارا اختیار نہیں ہے ۔
ویسے تاریخ پیدائش تو ہمیشہ ہمارے اختیار میں رہتی ہے ۔ خالی میں پیدا
ہونے والا بچہ منحوس نہیں ہے ۔ ۱۱ ذیقعدہ کو امام رضا علیہ السلام
کی ولادت باسعادت ہوئی ۔ بڑی خوشی کی تاریخ ہے ۔ مگر یہ اللہ کے
کام میں وہ خالی کے مہینہ میں جو چاہے کر ڈالے مگر ہم بندے اس منحوس
مہینہ میں کوئی خوشی کا کام کوئی شادی نیا کام نہیں کر سکتے ۔ خالی کا مہینہ
ان ہی لوگوں کے لئے منحوس ہے جن کے لئے خالق کا مہینہ (رمضان)
مبارک نہیں ۔ ورنہ ہر دن کا مالک خدا ہے جن دنوں کو اس نے نحس،
بنا دیا ہے ۔ اُن کے علاوہ کسی دن یا مہینہ کو منحوس کہنے کا ہمیں کیا حق ۔
مگر ہمارے سماج کا ایک جواب ہے جس کا کوئی جواب نہیں کہ سب ٹھیک
ہے ۔ مگر ہمارا دل نہیں بھرتا ہمیں شک آتا ہے ۔ ہمارے یہاں اس
مہینے میں خوشی کا کام نہیں ہوتا ۔ اس "وہم" کا علاج خدا کے پاس ہے
مگر اس نے علاج کا ایک دن معیّن کر دیا ہے ۔ مگر اس دن کے بعد نہ

دوا ہے نہ غذا بس سزا ہی سزا ہے۔

ذیقعدہ کو خالی کا لقب عورتوں نے دیا ہے اور سماج کا پارلیمنٹ اسمبلی کونسل سب عورتیں ہیں جو کچھ یہ پاس کردیں وہی قانون ہے۔ ان کے قانون کو کوئی چیلنج نہیں کرسکتا۔ جو چیلنج کرے وہ پہلے گھر سے پھر خاندان سے، پھر سماج سے نکال باہر کیا جائے گا۔ ایسے میں کون نکّو بنے۔ جس طرح انگوٹھا چھاپ منسٹر پڑھے لکھوں پر حکومت جھاڑتے ہیں اسی طرح عورتوں کے ذریعہ جاہلانہ رسوم، جاہلانہ شکوک۔ جاہلانہ عقیدے، جاہلانہ مصارف جاہلانہ عقیدتوں کی گرفت سماج پر مضبوط ہے۔

آئیے خالی کی خالی خولی بحث سے آگے بڑھیں خالی کے بعد بقرعید کا مہینہ آگیا بکرے کی یا قربانی کے حصہ کی فکر سب کو ہے کیونکہ قربانی سماج میں رائج ہے۔ اگرچہ مذہب میں سنّت ہے۔ مگر سماج میں واجب ہے۔ مذہب کا واجب چھوڑا جاسکتا ہے مگر سماج کا مستحب چھوڑنا بھی ناممکن ہے۔ مذہب کے حرام کا ارتکاب بے خوف اور بغیر کسی جھجھک کے زندگی بھر کیا جاسکتا ہے۔ مگر سماج کے مکروہ کے بجالانے کی ہمت کسی میں نہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس سب چھوٹ جائے مگر عید کی سوئیں اور بقرعید کے ماش چاول نہیں چھوٹ سکتے۔ روپیہ نہ ہو تو اس کو حاصل کرنے کے لئے چوری، رشوت جھوٹ، جیل سب ممکن ہے مگر باراتیوں کو بڑا گوشت کیسے کھلایا جاسکتا ہے۔ ناک کٹ جائے گی۔ لوگ تھو تھو کریں گے لڑکی کا معاملہ ہے جیسے بھی ہو کرنا ہے۔ ہاں اللہ کا معاملہ ہو تو دیکھا جائے گا۔ کون ابھی قیامت

آئی جاتی ہے ۔ اللہ معاف کردے گا مگر بندے نہیں معاف کریں گے
لہٰذا سماج کے احکام کی تعمیل کرو اور خدا کے احکام کی توہین کرو،
ہنسی اڑاؤ مگر ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے مسائل کا حل
سماج کے احکام کی تعمیل میں نہیں ہے بلکہ بے دین سماج کو دیندار
سماج بنا دینے میں ہے ۔

بقرعید عید سے ہلکی ہوتی ہے نئے کے بجائے دُھلے کپڑوں میں
کام چل جاتا ہے ۔ البتہ بقرعید کے بعد ہی پورے سماج پر "محرم آرہا
ہے" کی بے چینی چھا جاتی ۔ کسی کو امام باڑہ کی پُتائی کی فکر ہے ۔
کسی کو پُرانے پنجے اور پٹکے بدلوانے کی فکر ہے ۔ کوئی ضریح کیلئے
پریشان ہے کوئی سر پکڑے بیٹھا ہے کہ خاندانی عزاداری کا خرچ
کیسے پورا کیا جائے کوئی سالانہ مجلس کے لئے فکرمند ہے ۔ کسی کو
شب بیداری کی فکر ہے ۔ کسی کو سبیل کی فکر ہے کسی کو ۸ ؍محرم
کی نذر کی فکر ہے ۔ کسی کو اپنی انجمن کی فکر ہے ۔ کسی کو اپنے ذاکر کی
کی فکر ہے اور ذاکروں کو اپنے عشروں کی فکر ہے ۔ محرم میں حلوائی
سے لے کر ذاکروں تک سب کو کمانے کی فکر ہوتی ہے اور امیر
عزاداروں سے لے کر غریب عزاداروں تک سب کو خرچ کی
فکر ہے وہ فکرمند ہیں ۔ کمانے میں کمی نہ رہ جائے ۔ یہ فکرمند ہیں
کہ خرچ میں ایسی کمی نہ رہ جائے کہ عورتوں کو شک آجائے یا سماج
انگلی اٹھائے ۔

مگر جس کے دم سے محرم ہے اس حسینؑ کے مقصد شہادت
کی کسی کو فکر نہیں ہے ۔ ورنہ ہم صرف عزادار یا ذاکر نہ ہوتے بلکہ

خود بھی دیندار ہوتے اور محرم میں دیندار بنانے کی مہم بھی چلاتے ۔ کل حسینؑ شہید ہوئے تھے مگر دشمنوں کے ہاتھوں ۔ آج مقصد حسینؑ شہید ہو رہا ہے عزاداروں کے ہاتھوں یعنی محرم آ رہا ہے اور حسینؑ جا رہے ہیں۔ ہے کوئی جو حسینؑ سے رکنے کی درخواست کرے ۔

دماغ کا سوچ آن رکھئے

نظر دیکھنے پر اور دماغ سوچنے پر مجبور ہے ۔ اسلام نے دونوں باتوں کی دعوت دی ہے قرآن مجید میں یہ حکم بھی موجود ہے کہ دنیا میں گھومو ۔ زمین کے چکر لگاؤ ۔ سفر کرو چلو پھرو تا کہ نظر کو دیکھنے کا سامان ملے ۔ اور اس بات کی بھی شدید تاکید ہے کہ اپنی ذات سے لے کر کائنات کی ہر سرحد تک جو دیکھو اس پر غور کرو البتہ نظر ہو یا فکر ۔ آنکھ ہو یا دماغ دونوں کو پابند کیا گیا ہے نہ برائی دیکھو نہ سنو نہ سوچو ۔

مولائے کائنات حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کچھ ہمراہیوں کے ساتھ اس جگہ سے گذرے جہاں غلاظت ڈھیر تھی ۔ آپ نے فرمایا شوقین لوگ جن چیزوں پر بڑھ چڑھ کر ہاتھ مار رہے تھے یہ وہی چیزیں ہیں ان کا آخری انجام دیکھو ۔ اگر یہ انجام یاد رہے تو آغاز میں بھی ہاتھ مارنے کے بجائے انسان کنارہ کش ہونے کو بہتر قرار دے ۔

اسی طرح مولیٰؑ نے ایک بار فرمایا کہ آدمی کس بات پر گھمنڈ کرتا ہے ابتدا میں ایک نجس قطرہ ہوتا ہے ۔ انتہا میں نجس مردہ ہوتا ہے اور ساری زندگی نجاستوں اور غلاظتوں کو اپنے اندر بھرے پھرتا ہے اپنے انجام و آغاز کو دیکھ کر آدمی کو اپنے حقیر ہونے کا احساس ہونا چاہیئے نہ کہ غرور کا ۔

مولیٰؑ نے انداز فکر کی جو رہبری فرمائی ہے اس کے نمونہ آپ نے ابھی

پڑھے۔ اسی انداز فکر کی قیادت میں چند مناظر اور کچھ سین ہماری نظروں سے بھی گذرے اور ہم بھی سوچنے پر مجبور ہوئے۔ جی چاہا کہ جو نظر نے دیکھا آپ کو بھی اس کا نظارہ کرا دیں اور جو دماغ نے سوچا آپ کو بھی اپنی سوچ میں شریک کرلیں۔ شاید کبھی آپ بھی ہم کو اپنی دعائیں شریک کریں۔

میرا رخ پورپ کی طرف تھا۔ داہنے ہاتھ پر وسیع و عریض شاہی مسجد تھی الہی مسجد نہ تھی لہذا سیاح تو دیکھنے آتے ہیں مگر نمازی نہیں آتے تھے اور اگر کوئی آیا بھی تو اونٹ کے منھ میں زیرہ کہاں دکھائی دیتا ہے۔ بائیں ہاتھ پر ایک گندہ نالہ بہہ رہا تھا جو معلوم نہیں کب سے بہہ رہا تھا اور کہاں کہاں سے اور کیسی کیسی اور کس کی کس کی گندگیاں جمع کرتا ہوا بہہ رہا تھا میرے سامنے کی طرف سے کھلے میدان میں صاف ستھرے۔ اسکولی ڈریس میں آراستہ و پیراستہ۔ چاق وچو بند۔ ہنستے کھیلتے مگر اپنی تعلیم و ترقی کے لئے فکرمند لڑکوں اور لڑکیوں کے گروپ گذر رہے تھے۔ اسی وقت میری نظر اس چھوٹے سے پل پر پڑی جو گندے نالے پر بنا تھا۔ ایک شخص ایک لڑکے کو مارتا ہوا پل کے ذریعہ نالہ کے اس پار لے جارہا تھا۔ مار جاری تھی کوئی بچانے والا نہ تھا۔ میں چلتے چلتے رک گیا کیونکہ یہ سوچ کر میری سانس رک گئی تھی کہ اسی طرح کل میدان محشر میں جب پابند دین افراد اپنے صاف ستھرے اعمال کے ساتھ جنت کی طرف ہنسی خوشی جارہے ہوں گے تو دین سے جاہل اور غافل رہنے والوں کو ملائکہ مارتے ہوئے دوزخ کی طرف لے جارہے ہوں اور اس دن نہ کوئی بچانے والا ہوگا اور نہ بولنے والا ہوگا۔ میں نے ایک بار پھر نظر بھر کر اسکول جانے والے گروپوں کو دیکھا اور یہ طے کر کے زندگی کی ڈگر پر چل پڑا کہ چاہے جو ہو جائے مگر دین کو پڑھیں گے اور پڑھائیں گے۔ دیندار بنیں گے

اور دیندار بنائیں گے اور اللہ نے چاہا تو جنت جائیں گے اور جنت میں نلے جائیں گے ۔ میں چلتا رہا میری نظر اگرچہ دنیا میں گردش کر رہی تھی مگر میرا دماغ دنیا کے اس پار آخرت کو دیکھ رہا تھا ۔

سفر جاری تھا ۔ قدم ۔ نظر ۔ دماغ سب اپنے اپنے سفر میں مصروف تھے کہ ایک لمبی چڑھائی آگئی ۔ جتنا چڑھتے گئے ۔ سانس بھی چڑھتی گئی ۔ ابھی آدھی چڑھائی یعنی مشکل چڑھائی باقی تھی ۔ پلٹ کر دیکھا تو کچھ لوگ ہم سے بھی پیچھے رہ گئے تھے اور سامنے دیکھا تو کچھ ہم سے بھی آگے نکل گئے تھے حالانکہ سب ایک ساتھ چلے تھے ۔ وجہ صاف تھی جو ہلکے پھلکے تھے اور جن کا سامان کم تھا وہ آگے تھے اور جو بھاری بھر کم تھے اور سامان بھی بوجھل لادے تھے وہ پیچھے تھے ۔ آج تو میدان محشر دماغ سے چپک کر رہ گیا تھا ۔ سوچنے لگے کل یہی حال قیامت کے دن بھی ہوگا ۔ قناعت کرنے والے اور ہلکی پھلکی خواہشات رکھنے والے آگے نکل جائیں گے اللہ کے حضور میں حاضر ہو جائیں گے پروانہ پائیں گے اور جنت میں پاؤں پساریں گے ۔ اور اوڑھنا بچھونا بس لالچ ، خواہش ، تمنا ، آرزو تھی دنیا کی یہ بھاری بھر کم ہستیاں گناہوں کا بے حساب بوجھ لادے ہوں گی ان کا اٹھنا اور کھڑا ہونا مشکل ہوگا چلنا تو بڑی بات یہ جا نہ سکیں گے بلکہ لے جائے جائیں گے خدا کے سامنے پیش ہوں گے مگر دنیا کے کثیر حلال کا دیر تک حساب دیں گے اور دنیا کے حرام کے ڈھیروں کے عذاب ان کے سامنے ہوں گے جن میں جھونک دیے جائیں گے ۔ یہ سوچ کر میں اس طرح لرزا کہ میرا وجود لرز گیا اور رٹے کیا کہ سمجھیں گے اور سمجھائیں گے اور قناعت کو اپنائیں گے ورنہ ......

چڑھائی طے ہونے کے قریب تھی کہ ایک آدمی کو دیکھا جو تا ہاتھ میں

لئے ہے اور ننگے پیر چل رہا ہے ۔ موسم کی شدت نے پیروں کا بُرا حال کر دیا ہے ۔ لنگڑا نہیں ہے مگر لنگڑا رہا ہے ۔ چل رہا ہے مگر اچھلتا دکھائی دے رہا ہے ، قدم رکھتا ہے مگر قدم ٹکتا نہیں ہے ۔ ہم سے اس کا حال زار دیکھا نہ گیا ۔ لپکے ، قریب پہنچے کہا بھائی جوتہ موجود ہے اور تم پیروں کا بُھرتا بنا رہے ہو ۔ بولے ۔ دوکان پر سجا تھا ۔ اسے دیکھا اور دیکھتے ہی جی لوٹ پوٹ ہو گیا زیادہ قیمت دی ۔ خوشامد الگ کی ۔ اس نے دام بھی لئے ۔ احسان بھی کیا ۔ ہم خوشی خوشی گھر لے آئے ۔ آج پہن کر نکلے کہ اپنی شان خود بھی دیکھیں گے اور دوسروں کو بھی دکھائیں گے ۔ دل کو یہی یقین تھا کہ ہر قدم شاندار ہوگا ۔ اشتہار میں بھی یہی پڑھا تھا مگر تھوڑی دور چلے تھے کہ چھالے پڑ گئے پہن تو لیا تھا مگر اتارنا مشکل ہو گیا ۔ پہننے میں انگلی پچی ہوئی تھی ۔ اتارنے میں پیر زخمی ہو گیا ۔ گوشت سے ناخن جدا ہو گیا ۔ اب نہ پہن سکتے ہیں نہ پھینک سکتے ہیں جس حال میں ہیں تم خود دیکھ رہے ہو ۔ حد ہے کہ اجنبی ہو مگر ہمارے لئے رو رہے ہو ۔ جوڑا بڑا خوبصورت تھا مگر بے جوڑ نکلا ۔ وہ آپ بیتی سنا کر پھر چل پڑا اور مجھے اپنے پڑوسی یاد آئے جو خوبصورتی ، جہیز ، بڑا گھر دیکھ کر شادی کر بیٹھے تھے ۔ ان کی زندگی اور اس آدمی کی بپتا میں کوئی فرق نہ تھا ۔ اگر اس نے جوتے اور پیر دونوں کو دیکھ لیا ہوتا تو آرام سے چلتا ۔ انھوں نے بھی اگر دینداری کی بنیاد پر شادی کی ہوتی تو خوف خدا دونوں کو ہر تکلیف و اذیت سے محفوظ رکھتا ۔

میرا دماغ ابھی ہچکولے کھا رہا تھا کہ کان میں ایک چیخ سنائی دی "ہائے مر گئے" پلٹ کر دیکھا تو ایک صاحب اپنا سر مع ناک کے پکڑے بیٹھے تھے اور دوسرا اپنے جوتے زمین سے اٹھا کر پھر اپنی لاٹھی میں لٹکا کر

اور لاٹھی کندھے پر رکھ کر روانہ ہونے والا تھا۔ پہلے ہم ہائے مر گئے کی طرف متوجہ ہوئے کہ آپ زندگی میں کیوں مر گئے انھوں نے کہا یہ دیہاتی اپنی لاٹھی اس کندھے سے اس کندھے پر رکھ رہا تھا کہ لاٹھی نے پوری قوت سے میرے سر پر سے سفر کیا۔ مزید برآں یہ کہ اس کے نعل دار وزنی جوتوں نے عینک اور ناک دونوں کو توڑ دیا۔ سر کی چوٹ عینک کا نقصان تو برداشت کر سکتا ہے مگر ناک کی چوٹ کون برداشت کر سکتا ہے لہٰذا ہم تو زندگی ہی میں مر گئے۔

ہم دیہاتی کی طرف لپکے کہ گاؤں کی لاٹھی کا شہر کی گنجان آبادی میں کیا کام ہے پھر جو ہاتھ میں رہنے والی چیز ہے اس کا کندھے پر کیا کام پھر لاٹھی بھی کوئی پینس یا جنازہ ہے کہ کاندھا بدلا جائے۔ اس نے ہم کو گھور کر دیکھا اور ہم کو عالم تصور میں لاٹھی اپنے سر پر سے سفر کرتی ہوئی محسوس ہوئی پھر بھی ہم نے پوچھ لیا کہ اور یہ بھی بتاؤ کہ جوتے پہننے کے لئے ہوتے ہیں کہ لٹکانے کے لئے۔ اس نے بار دیگر گھورا اور گرجا قانون رکھو تم اپنے شہر میں۔ ہم آزاد لوگ ہیں چاہے کسی کا سر پھوٹے یا ناک ٹوٹے۔ ہم اس کی سُن رہے تھے اور خود سوچ رہے تھے کہ اگر یہ آزادی ہے تو پھر آوارگی اور رندگی کیا ہوگی کہ اس نے جوتا لٹکانے کا فلسفہ بھی بیان کیا کہ یہ جوتے دادا کے ہیں اور ہمارا پوتا پہنے گا۔ مالک نے پیر دیے اور دادا نے جوتے اور یہ کہہ کر دیے کہ چمڑی جائے تو جائے مگر دمڑی نہ جائے اور واقعی چمڑی جا چکی تھی۔ اسی سڑک پر ایک کے پیروں کا بھرتہ بن گیا تھا اور دوسرے کی کھال مردہ ہو چکی تھی۔ اس نے پھر تیسری مرتبہ دیکھا۔ اس مرتبہ اس کی نگاہ کہہ رہی تھی کہ جاتے ہو کہ دوں ہاتھ اور فوراً ہم ہی سمجھ گئے

دے ہاتھ کے معنی سمجھ میں آ گئے۔

اسی طرح سوچ بچار میں سفر طے ہو گیا ہمارے ایک امیر عزیز ہوائی جہاز سے آئے تھے۔ ہم ان سے ملنے آئے تھے مگر ان کو دیکھ سکے نہ مل سکے کیونکہ وہ بری طرح سردی میں جکڑے تھے اور ایک پل کے لئے بھی ان کی کھانسی نہیں رکتی تھی۔ ہر کھانسی پر کلیجہ پکڑ لیتے تھے۔ سب کھڑے تھے اور یہ پڑے تھے سب دیکھ سکتے تھے مگر کوئی مل نہیں سکتا تھا۔ حال پوچھا معلوم ہوا ایک بریف کیس لئے ہوئے کناڈا سے چلے ہوائی جہاز میں اُڑے۔ مزے اڑاتے دہلی آ گئے۔ وہاں سے ٹرین سے چلے۔ برفباری ہو چکی تھی۔ بریف کیس میں لاکھوں تھے مگر کام نہ آئے۔ ہم دیدار کر کے پلٹے۔ مگر ہمارا دماغ وہیں رہ گیا بلکہ ایک چھلانگ میں پھر آخرت پہنچ گیا کہ جو دولت والے بغیر پکے ایمان اور سچے اور اچھے اعمال کے محشر پہنچیں گے وہ اسی طرح تڑپیں گے اور کوئی کام نہ آئے گا۔

آخرت کے بار بار تصور نے حافظہ کا ڈھکنا اٹھا دیا تھا اور اپنے کئے ہوئے بے شمار گناہ یاد آ رہے تھے۔ ہم جہاں سے آئے تھے وہاں واپس جا رہے تھے مگر گناہوں کی سیر ریزہ کو حافظہ اگل رہا تھا اور ہمارے ہاتھ پیروں کی طاقت جواب دے چکی تھی۔ ہم میں واپس جانے کی طاقت بھی نہ تھی۔ اسی عالم مجبوری میں دیکھا کہ ایک شریر بچّے کو اس کی ماں مار رہی تھی۔ بچہ تڑپتا تھا روتا تھا مگر ماں ہی سے لپٹ جاتا تھا۔ آخر ماں نے کلیجہ سے لگا لیا بچّے کے آنسو پوچھے اور کہا آئندہ شرارت نہ کرنا۔ بچّہ ماں کے کلیجے سے لگا تھا مگر اب اس کا دل دھک نہیں کر رہا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر خیال آیا کہ جب ماں اتنی رحم دل ہوتی ہے تو رحمٰن و رحیم خالق اور کریم

مالک کتنا مہربان ہوگا مگر پھر بھی بری طرح ڈرے مگر خدا سے روئے مگر خدا کے سامنے اور خدا ہی کے نام پر چودہ معصوموں کو مدد کے لئے پکارا کہ ہماری توبہ قبول کرادیں۔ بس توبہ کا تصور آتے ہی دل کی دھک دھک ختم ہوگئی اور ہم تیزی سے جہاں سے آئے تھے وہاں دوبارہ حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوگئے۔

آئیے خواب دیکھیں مگر.....

خواب ہم روز دیکھتے ہیں - مگر خواب کی حقیقت ہم کو نہیں معلوم - اپنی ہی حقیقت سے بے خبر ہونے کے بعد بھی ہمارا اپنے بارے میں یہی خیال ہے کہ ہم سے زیادہ باخبر پیدا ہی نہیں ہوا - یہ دو منزلہ جہالت ہے جس کو علماء لوگ جہل مرکب کہتے ہیں - خیر

ہم خواب روز دیکھتے ہیں مگر ہمارے اکثر خواب جھوٹے ہوتے ہیں جو ہمارے معدہ کی پیداوار ہوتے ہیں - معدہ ٹھیک ہوتا ہے تو اچھے اچھے خواب نظر آتے ہیں اور معدہ چوپٹ ہوتا ہے تو ڈراؤنے خواب ہم کو کئی کئی دن تک چوپٹ رکھتے ہیں ڈراؤنے خواب کے ڈر کو باقی رکھنا بھی چوپٹ معدہ کا کام ہوتا ہے چوپٹ معدہ اپنے کو خود جتنا چوپٹ رکھتا ہے - اپنی اس ڈیوٹی (ڈر باقی رکھنے میں) اتنا ہی چوکس رہتا ہے - اور اس کی چوکسی ہم کو خواب کی تعبیر پوچھنے پر مجبور کرتی ہے - ملاجی - مولوی صاحب عامل صاحب پنڈت جی کے پاس ہم کو ہمارا یہ معدہ لے جاتا ہے - ان کو اپنے خوابوں کی تعبیر نہیں معلوم تو وہ ہمارے خواب کی تعبیر کیا بتلائیں گے - مگر معدہ کی بھی ایک برادری ہے اور برادری کا خیال برادری والا نہ کرے گا تو کون کرے گا -

ملا - مولوی - عامل - پنڈت سب کے معدے خالی پڑے تھے - ہمارا چوپٹ معدہ ہم کو ان کے پاس لے گیا - انھوں نے علم یا عقل کے مطابق نہیں کیونکہ علم وعقل ان کے پاس ہوتے ہی کب ہیں البتہ اپنے خالی معدوں کے

مطابق تعبیر تبلادی - خواب نے تو چوپٹ کیا ہی تھا کہ ہم بوکھلائے ہوئے بلکہ بولائے ہوئے تعبیر پوچھتے پھر رہے تھے - تعبیر نے اور بھی چوپٹ کیا - عقل تو ماری ہی گئی تھی - دولت بھی ماری گئی - کسی کو پیسہ دیا - کسی کو مرغا دیا - کسی کو لوبان اور زعفران دیا - کسی کو گیت رقم دی تاکہ جو بلا آنے والی ہے وہ دفع ہو جائے - غرضکہ ہمارے چوپٹ معدہ نے اپنی برادری کی مدد کی - خالی معدے بھر گئے بلکہ اتنے بھرے کہ وہ بھی چوپٹ ہو گئے - اور برادری تب مکمل ہوئی جب ملا - مولوی - عامل - پنڈت کو بھی ڈراؤنے خواب نظر آنے لگے - یہ ہے خوابوں کا چکر - یہ چکر صرف اردو کا چکر نہیں ہے کہ سر چکرانے پر ختم ہو جائے بلکہ علماء لوگ اِسے دور کہتے ہیں اور ایجوکیٹڈ لوگ اسے سرکل کہتے ہیں - غرضکہ خوابوں کا یہ دور تسلسل کے ساتھ چلتا رہتا ہے - حتیٰ کہ تعبیر کے نام پر لوٹنے والے ملا - مولوی عامل - پنڈت کو خواب میں تعبیر پوچھنے والے ان کا گلا گھونٹتے دکھائی دیتے ہیں -

البتہ کوئی کوئی خواب سچا بھی ہوتا ہے - مگر ہم جب خواب دیکھتے ہیں تو اس وقت ہم کو اس کی سچائی کا علم نہیں ہوتا اور جب وہ سچا ثابت ہوتا ہے تو ہم کچھ کرنے سے مجبور ہوتے ہیں - یہ ہے خوابوں کی وہ مجبوری - جس کو اگر ہم اپنی گرہ میں باندھ لیں تو پہلے اپنے معدے کی اصلاح کریں پھر دماغ کی اصلاح کریں کہ خواب دیکھیں اور خواب کو سر سے جھٹک دیں اور اپنے کاموں میں مصروف ہو جائیں - لوگوں کو خیال ہوتا ہے کہ صبح کی نماز کے وقت خواب دیکھا ہے لہٰذا ضرور سچا ہو گا مگر خواب تو سچا نہ ہو گا البتہ یہ بات ضرور سچی ہو جائے گی کہ ہم نماز کے وقت بھی نماز صبح پڑھنے کے بجائے خواب ہی دیکھتے ہیں - کیونکہ دین ایک خواب ہے جو ہم نے ماں کی گود میں دیکھا تھا - دین کی باتیں ہمیں بھولی بھولی - خواب کی طرح یاد آجاتی ہیں - لیکن دین ہمارے خیال میں نہیں ہے - اور ہمارا

خیال اتنا بڑا بھی نہیں ہے کہ اس میں دین اور دنیا دونوں کو جگہ مل سکے۔
دنیا کی اس مختصر زندگی میں ہم دین کا خیال بھلا کہاں کر سکتے ہیں۔ البتہ قبر
میں ہزاروں سال سونا ہوگا دین کے خواب وہاں دیکھ لیں گے مگر سنا ہے
کہ جو دنیا میں دین کا خیال نہیں کرتا ہے۔ ملائکہ اسے قبر میں پہلے ہی دن گرز
مار کر قیامت تک کے لئے اس کی قبر کو آگ سے بھر دیتے ہیں پھر قیامت کے دن
قبر نکال کر دوزخ میں ٹھونس دیتے ہیں لہذا اچھا تو یہی ہے بلکہ ضروری ہے
بلکہ ضروری سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ قبر میں چین سے سونے کے لئے اور
جنت میں اڈمشن ملنے کے لئے دنیا میں پہلے دین کا خیال کریں۔ تو خدا
ہماری دنیا کا بھی خیال کرے گا اور دین کا بھی۔ مگر بس بات دل کو قابو میں
رکھنے کی ہے۔ اور یہ کام کچھ مشکل بھی نہیں۔ البتہ اپنے کو دل کے ہاتھوں میں
دینے کے بجائے دل کو ہاتھ میں لینا ہوگا۔ مگر ہماری عادت تو دوسروں کے
دلوں کو توڑنے کی پڑگئی ہے دلوں کو ہاتھوں میں لینا تو ہم نے سیکھا ہی نہیں
ہے۔

خیر۔ بات خواب کی چل رہی تھی۔ بعض لوگوں کو خوابوں میں بشارتیں
ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ یہ ہدایت بھی ہوتی ہے کہ ایک درجن خطوط میں یہ
بشارت لوگوں کو لکھ کر بھیجو ورنہ آفت میں پھنسو گے اور جسے لکھوا سے بھی ایک
درجن خطوط میں بشارت لکھنا لازم ہے ورنہ وہ بھی آفت میں پھنسے گا شیطان
بھی کیا کیا چکر چلاتا ہے۔ قرآن و حدیث لاکھ بیان ہو کہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ
خمس۔ اطاعت والدین وغیر واجبات نہ ادا کرو گے یا جھوٹ۔ غیبت۔ جوا۔
شراب۔ ظلم۔ لوٹ کھسوٹ وغیرہ حرام کام کرو گے تو ضرور آفت میں پھنسو گے۔
جس سے چھٹکارا ملنے والا نہیں ہے مگر ہم اسلام کے اقرار کے آگے عمل اور

احکام کی پابندی میں پھنسنے پر تیار نہیں ہیں ۔ لیکن بشارت کے جھوٹے ۔ فرضی خطوط کے شیطانی چکر سے ہم اپنے کو نہیں نکال سکتے ۔ سب کو شک آتا ہے کہیں کوئی آفت نہ آجائے عورتوں کو زیادہ ۔ ان سے زیادہ مالداروں کو ۔ ان سے زیادہ ظالم رشوت خور افسروں کو شک آتا ہے لہذا خطوط لکھے جائیں گے ۔ لکھوائے جائیں گے ۔ سائکلو اسٹائل ہوں گے فوٹو اسٹیٹ کاپیاں نکلوائی جائیں گی ۔ پھر پتے ڈھونڈھے جائیں ۔ ملک میں نہیں ملیں گے تو فارن کے پتوں پر بشارتی خطوط روانہ ہوں گے ۔ ہم مشہور آدمی ہیں لہذا فرضی بشارتی خطوط سے ہماری ردی کی ٹوکری خالی نہیں رہتی ۔ اور ردی کی ٹوکری کے پاس شیطان بیٹھا منہ بسورتا رہتا ہے اور ہم خدا کے فضل سے ہنستے رہتے ہیں اور اللہ نے چاہا تو ہمارا یہ مضمون شیطان کو موٹے موٹے آنسوؤں سے رلائے گا مگر وہ بڑا شیطان ہے اور کوئی طریقہ ایجاد کرلے گا ۔ فرضی بشارتیں ۔ فرضی کہانیاں ۔ فرضی معجزہ سب اسی ملعون کے ہتھکنڈے ہیں ۔ جن سے صرف معرفت وایمان ویقین والے محفوظ رہتے ہیں کیونکہ ان کو شک نہیں آتا باقی سب پھنس جاتے ہیں ۔

مقدس خواب والوں کی ایک قسم زیارت والوں کی ہے کسی کو نبیؐ کی زیارت ہوتی ہے کسی کو امامؑ کی زیارت ہوتی ہے ۔ کسی کو معصومہؑ اور کسی کو شہدؑاء کی زیارت ہوتی ہے ۔ یہ لوگ بذریعہ بیان اپنے خواب کی زیارت دوسروں کو کراتے ہیں اور جس کے چہرہ پر ان کو زیارت کی بشارت کے بجائے سناٹا دکھائی دیتا ہے ۔ ان کو اس کے ایمان ۔ اسلام بلکہ حلالی ہونے میں شک ہوجاتا ہے ۔ اور اگر یہ اعلان ہوگیا کہ جسے شک ہو وہ مسلمان اور مومن نہیں ہے تو شک والے اپنے شک کا اظہار کردیں گے لیکن اگر یہ اعلان ہوا کہ صرف

حلالی ہی کو یقین آتا ہے تو ہر شخص اپنی ماں کی عزت کی خاطر اقرار کرلیتا ہے۔

اب تک ان خوابوں کا ذکر تھا جو ہم سوتے میں دیکھتے ہیں۔ اب ان خوابوں کا بھی ذرا چرچا ہو جائے جو ہم جاگتے میں دیکھتے ہیں۔ بغیر پڑھے پاس ہو جانے کا خواب۔ بغیر کمائے دولت مند ہو جانے کا خواب۔ یہ لاٹری اور معمہ کے ذریعہ بہت دیکھے جاتے ہیں۔ پہلے لاٹری کے خواب ماہوار آتے تھے اب ہر ہفتہ بلکہ روزانہ آنے لگے ہیں۔ بغیر آمدنی سے قرض لینا اور ادا ہو جانے کا خواب بھی دیکھا جاتا ہے۔ الکشن جیتنے کا خواب ان کو بھی دکھائی دیتا ہے جن کو کوئی نہیں جانتا۔ بعض لوگوں کو شادی۔ شاعری۔ ذاکری۔ مصنف ہونے کے بھی خواب دکھائی دیتے جن کی تعبیر ہمیشہ الٹی ہوتی ہے۔ اب الٹی تعبیریں سنئے۔

لڑکے فیل ہوتے ہیں۔ گھر اور کالج سے نکالے جاتے ہیں اور سڑک چھاپ زندگی بسر کرتے ہیں۔ دین۔ دنیا دونوں برباد ہو جاتی ہے لاٹری نہیں نکلتی ہے ایک دن فٹ پاتھ پر مرتے ہیں اور چندہ سے کفن دیا جاتا ہے۔ قرض ادا نہیں ہوتا ہے جائداد مع عزت کے نیلام ہوتی ہے سر چھپانے کی جگہ نہیں رہ جاتی۔ مگر سب سے منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔ الکشن میں ضمانت ضبط ہوتی ہے۔ شادی کے نام پر بے وقوف بنائے جاتے ہیں۔ شاعری کے ذریعہ بے عزتی کراتے ہیں۔ ذاکری میں ہوٹنگ نصیب ہوتی ہے۔ تصنیف کے شوقین صرف اپنی ناکارہ زندگی کے مصنف بنتے ہیں۔ ان سے گھر والے عاجز رہتے ہیں مگر وہ کاغذ گوداکرتے ہیں۔ آخر میں ملک الموت کا غذات لے کر آجاتے ہیں۔ اور نامہ عمل کی شکل میں ان کی زندگی تصنیف ان کے ہاتھوں میں دی جاتی ہے۔

اگر ہم ایسے سارے خوابوں کے دیکھنے والوں کو محروم۔ بدنصیب کام چور قرار دیتے ہیں تو ایک خواب ایسا ہے جو ہم سب دیکھ رہے ہیں کہ نہ دین جانیں گے۔ نہ دین پڑھیں گے۔ نہ دین کی باتیں پوچھیں گے۔ بلکہ جو سن لیں گے اُسے یا جھٹلائیں گے ورنہ کم از کم عمل نہ کریں گے بلکہ ہر واجب چھوڑ دیں گے اور ہر حرام کرتے رہیں گے اور خواب دیکھیں کہ جنت مل جائے گی۔ تب بھی جنت کا باغ بن جائے گی مگر جب تعبیر الٹی ہوگی تو کیا ہوگا۔ اگر یہ بات ہم سوچ لیں تو جنت کا خواب دیکھنے کے بجائے جنّتی زندگی دین کے سایہ میں بسر کرنا شروع کریں۔

بہترین موت

عموماً بگڑی فطرت رکھنے والے انسانوں کا مشغلہ ہوتا ہے دوستوں میں۔ عزیزوں میں لڑائی کرا دینا۔ ان کو لڑائی کرانے میں۔ لڑائی دیکھنے میں مزا آتا ہے۔ جن کے پاس پیسے زیادہ ہوتے ہیں وہ لڑائی کے ذوق کی تسکین کے بڑے بڑے سامان کرتے ہیں میچ۔ دنگل۔ باکسنگ انسانوں میں لڑائی کے فنکشن ہیں۔ مرغ لڑانا۔ بٹیر لڑانا اور دوسرے جانوروں کی لڑائی کا انتظام کرنا ان کو لڑنے کی تربیت دینا۔ سب اسی جنگی ذوق، کا نتیجہ ہیں۔ یہی ذوق۔ سیاست و تجارت میں الکشن اور کمپٹیشن کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

آج ہر ملک اپنی دولت کا نصف سے زیادہ حصہ دفاع کے نام پر فوج ہتیار اور لڑائی کے سائنس پر اور جنگی تحقیقات پر صرف کر رہا ہے جب سماج کا ذوق لڑائی ہے تو غریب دین اس کی زد سے کیونکر محفوظ رہ سکتا تھا۔ چنانچہ کچھ دیندار۔ خدا اور رسولؐ میں لڑائی کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ان کے خیال میں اگر رسولؐ کو علم غیب مل گیا۔ اعجازی طاقت مل گئی۔ نبیؐ کو قابل تعظیم و احترام کا مستحق مان لیا گیا تو ان غریب اللہ والوں کے بیچارہ خدا کے پاس کچھ رہ نہیں جائے گا۔ خام خیالی کے ان مریضوں کو کون بتائے کہ خدا نے دنیا میں سب کچھ بھر دیا پھر ساری دنیا کا اقتدار انسان کو

دیا۔ اور انسانوں سے زیادہ اقتدار۔ توانائی نبیوں کو دی۔ جو کچھ سارے نبیوں کو دیا تھا۔ اس کا لاکھوں گنا کمال حضورؐ کو دیا مگر اس کے بعد بھی اس کی خدائی میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ لیکن مسلمان میں خدا اور رسولؐ کے نام پر لڑائی ہوگئی۔ جماعت بندی ہوگئی۔ اللہ والے۔ رسولؐ والے الگ پارٹیوں کے نام پڑ گئے۔ مسجدیں تقسیم ہوگئیں اور اس تقسیم کے لئے مسجدوں میں جہاد ہوگئے اور قاتل و مقتول دونوں بہ آسانی دوزخ میں پہنچ گئے۔

جو لوگ اس لڑائی میں حصہ نہ لے سکے انھوں نے لڑائی کا دوسرا میدان تیار کر لیا۔ ایک طرف خدا والے۔ رسولؐ والے جمع ہوگئے اور دوسری طرف اہلبیتؑ پیغمبرؐ والے جمع ہوگئے مگر ان بیچاروں کو خبر نہیں ہوئی کہ خدا و رسولؐ اور اہلبیت علیہم السلام سب متحد ہیں ایک حاکم ہے دوسرا حاکم کا نمائندہ ہے تیسرے نمائندے کے نمائندے ہیں۔ جو ان کے نام پر لڑنے والوں سے اظہار نفرت و برائت کر رہے ہیں اور یہ طے ہے کہ جو ان کی نفرت کا مستحق بن گیا اس کو صرف جہنم ہی اپنی آغوش میں لے سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ دین کے نام دین کے ماننے والوں میں بہت سی جہل۔ مضر اور فاسق لڑائیاں جاری ہیں۔ مثلاً عبادت خدا اور محبّت اہلبیت علیہم السلام میں کون افضل ہے۔ اہلبیتؑ اور قرآن مجید میں کون افضل ہے۔ حضورؐ اور بارہ امام علیہم السلام کو بالکل برابر رکھا جائے یا حضورؐ کو ان اماموںؑ کا نبیؐ مان کر ان اماموںؑ کے لئے قابل تعظیم مان لیا جائے۔ زکوٰۃ و خمس میں کون زیادہ اہمیت رکھتا ہے وغیرہ وغیرہ حالانکہ خدا نے محبت اہلبیت علیہم السلام کو عبادت قرار دیا ہے اور ایسی عبادت قرار دی جس کے بغیر ہر عبادت رد ہے اور اہلبیت علیہم السلام نے انسانوں کو عبادت خدا کا پابند بنانے

کے لئے اپنی جانیں قربان کردیں ۔ قرآن آج تک حقوق اہلبیت علیہم السلام کی حفاظت کر رہا ہے اور کل قرآن کو بچانے کے لئے اہلبیت علیہم السلام کے سروں نے نوک نیزہ پر بلند ہونا اپنا فریضہ قرار دے لیا تھا۔ حضورؐ نے نے فرمایا ہم سب محمد ہیں ۔ ہم سب چھوٹے اور بڑے کمالات میں یکساں ہیں اور سردار اہلبیتؑ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے تھے میں محمدؐ کے غلاموں سے ایک غلام ہوں ۔ اگر کسی مال میں زکوٰۃ اور خمس دونوں واجب ہو جائیں تو کسی ایک کا نکالنا کافی نہ ہوگا بلکہ دونوں کی ادائگی کے بعد ہی مال پاک ہوگا اور مال کا مالک اس مال کو خرچ کرنے کا حق دار ہوگا معلوم ہوا دین اور اس کے تمام اجزا متحد ہیں اور ہم بے وقوف دین کو اجزا کو ایک دوسرے کے مقابل لاکر اور بڑی قیمت دے کر دوزخ خرید رہے ہیں ۔

غرضکہ بے بنیاد ۔ نام نہاد اور فرضی لڑائیاں ۔ افراد میں ۔ خاندانوں میں ، عزیزوں میں ، دوستوں میں ، اداروں میں ۔ جماعتوں میں جاری ہیں سمجھدار کا فرض ہے کہ ان لڑائیوں سے دور رہے بلکہ ان لڑائیوں کو دور کرے اور ان کو ختم کرے ۔ یہ مضمون اسی سلسلہ کی ایک کوشش ہے ۔ کچھ لوگ دین اور دنیا میں لڑائی کرانے کے لئے اپنی ساری ذہنی توانائی کو برباد کر رہے ہیں ۔ ایک طرف وہ دانشور ہیں جو دین کو افیون کا نام دیتے ہیں ۔ عہد جاہلیت کی یادگار قرار دیتے ہیں ۔ سرمایہ دارانہ نظام کی دین قرار دیتے ہیں ۔ عہد حاضر میں دین کی کوئی ضرورت نہیں ہے دین ترقی سے روکتا ہے ۔ دین مٹ جائے تو انسان ایک ہو جائیں وغیرہ قسم کے نعرہ دے کر دین کو دنیا کے اس پار پھینک دینا چاہتے ہیں ۔

دوسری طرف وہ دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے ہیں ۔ جن کی

عقل سکڑ گئی ہے۔ جو جہالت کو علم، ضد کو وضعداری سمجھ بیٹھے ہیں اور ان کے ساتھ وہ فنکار ہیں جو اپنی عیاری کے ذریعہ دین کے نام پر دنیا کمانا چاہتے ہیں۔ ان دونوں گروہوں کی لڑائی کے میدان دین اور دنیا میں دونوں کا خیال ہے کہ دنیا اور دین جمع نہیں ہو سکتے۔ ایک دنیا کے لئے دین کو چھوڑنا چاہتے ہیں۔ دوسرے دین کے کام دنیا چھوڑنا چاہتے ہیں۔ نیک دل گوتم بدھ اسی غلط فہمی کا شکار ہوئے۔

راہبوں نے۔ پادریوں نے۔ ننوں نے۔ فقیروں نے۔ پیروں نے۔ شاہ صاحبان نے۔ صوفیوں نے۔ سادھوؤں نے بھی اسی راستے کو اپنایا مگر پیر کا دنیا چھوڑ دینا۔ مگر مرید کا دنیا کما کر پیر کو نذرانہ پیش کرنا۔ سادھو کی سیوا کے ذریعہ پاپ والے کا پُن والا ہو جانا۔ گرجوں کے تہ خانوں میں کنوارے پادریوں اور کنواری ننوں کی ناجائز اولاد کی چھوٹی چھوٹی قبریں۔ شاہ صاحبان اور عاملوں اور ملاؤں کی عیاشیاں سادھوؤں کا سونا دونا کرنے کا فریبی کاروبار وغیرہ اس نظریہ کا کھوکھلاپن اور مکروہ کردار واضح کر رہے ہیں۔

مسلمانوں میں حکومت میں حصہ نہ پانے والے ہوس اقتدار کے متوالوں نے امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانہ میں صوفی ازم کی بنیاد رکھی تاکہ حکومت زمین پر قبضہ کر لے اور یہ زمین کی پیداوار پر قبضہ کریں۔ حکومت ٹیکس لے یہ نذرانہ لیں۔ حکومت بیعت لے یہ حلقہ ارادت میں شامل کریں حاکم محل میں رہیں یہ خانقاہوں میں رہیں اور اس کو شاہی محل سے بھی بہتر بنا دیں دونوں جگہ گدی چلی۔ جھگڑے ہوئے۔ قتل ہوئے۔ قبضے ہوئے۔ انھوں نے تلوار کو ذریعہ بنایا۔ انھوں نے تسبیح کو تلوار بنایا۔

انھوں نے کھل کر ریشمی زندگی بسر کی۔ انھوں نے ٹاٹ پہن کر ریشمی زندگی حاصل کی۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے اس فرقہ کی گمراہی واضح کی۔ اس کے خلاف علمی جہاد کیا اور عملی مقابلہ اس طرح کیا کہ ضعیفی اور بڑھاپے میں دو غلاموں کے سہارے جلتی دوپہر میں اپنے باغ اور کھیتی کی دیکھ بھال کے لئے جایا کرتے تھے۔ ایک دن صوفیوں کے سردار نے ملاقات کی۔ تاکہ اعتراض کر کے اپنے حامیوں میں اہمیت حاصل کریں اور ان کی تعداد میں اضافہ کرلے۔ بڑے طمطراق سے مع اپنی جماعت کے امامؑ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اگر اس وقت موت آجائے تو کیسی بُری موت ہوگی اور آپ کا ایسا فرزند رسولؐ اس طرح دنیا حاصل کرے۔ بہت معیوب بات ہے۔ حضرت نے غلاموں کا سہارا چھوڑ دیا۔ تن کر کھڑے ہوئے اور فرمایا میں اپنے عیال کی روزی حاصل کرنے جا رہا ہوں اگر اس وقت موت آجائے تو بہترین موت ہوگی کیونکہ میں بہترین عبادت میں مصروف ہوں۔

دین اور دنیا میں کوئی لڑائی ممکن نہیں ہے ایک کو خدا نے پیدا کیا ہے دوسرے کو خدا نے بھیجا ہے۔

دین نام ہے دنیا کو صحیح بنانا۔ دنیا کی جنت کا نمونہ بنانا۔ دنیا کے دوزخ کو اطاعت خدا کے ذریعہ بجھانا۔ یہی پیغام تھا جسے ہمارے پانچویں امامؑ نے خاص طور پر پیش کیا۔ کیونکہ صوفی فرقہ نے اسی عہد میں جنم لیا تھا۔

۵۷ھ کی یکم رجب کو امام محمد باقرؑ پیدا ہوئے ۔ جب آپ کے دادا امام حسینؑ زندہ تھے ۔ آپ کربلا میں ۳ سال کے تھے جب قیدی بنے ۔

اور ۱۱۴ھ میں ذی الحجہ میں امام صادقؑ کو دین سونپ کر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے ۔ آپ زہر سے شہید کئے گئے اور جنت البقیع میں مدینہ منورہ میں دفن ہوئے ۔

واپسی

آنا جانا اس دنیا کی ریت ہے۔ آدمی آتے جاتے ہیں۔ مال آتا جاتا ہے۔ سواریاں آتی جاتی ہیں۔ باراتیں آتی جاتی ہیں۔ مہمان آتے جاتے ہیں۔ دولت۔ نعمت۔ راحت۔ شہرت۔ عزت صحت۔ بیماری درد۔ تکلیف۔ غربت غرضکہ ہر چیز اس دنیا کی آنی جانی ہے۔ البتہ کچھ چیزوں کا آنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کچھ چیزوں کا جانا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اچھے معلوم ہونے میں بھی ذوق۔ پسند۔ علم۔ عقل۔ تجربہ اور ضرورت کو دخل ہوتا ہے۔ ایک چیز کا آنا ایک شخص کو اچھا معلوم ہوتا ہے تو اسی وقت اسی جگہ۔ اسی چیز کا آنا دوسرے کو بہت برا معلوم ہوتا ہے۔

بہر حال برا معلوم ہو یا اچھا معلوم ہو۔ آنے والا آ ہی جاتا ہے اور جانے والا چلا ہی جاتا ہے۔ جسے نہیں آنا ہوتا ہے۔ لاکھ کوشش کرو نہیں آتا ہے۔ جسے نہیں جانا ہوتا ہے لاکھ تدبیر و علاج کرو نہیں جاتا ہے آدمی کے دماغ میں لاکھوں غرور کے سودے ہوں۔ ہزار تدبیروں پر ناز ہو مگر کبھی کبھی سب تدبیریں فیل ہو جاتی ہیں اور ناکامیابی غرور کا سر کچل دیتی ہے۔ کوئی ایسا خوش نصیب بھی ہوتا جس کو ناکامیابی اللہ والا بنا دیتی ہے۔ رحم دل اور شفیق بنا دیتی ہے۔ خاکسار اور متواضع بنا دیتی ہے۔ اور کوئی ایسا بدنصیب بھی ہوتا ہے جس کو ناکامیابی مایوس بنا دیتی

ہے۔ اسے شرافت اور ایمان کی دولت سے۔ اخلاق کی نعمت سے بھی محروم کردیتی ہے۔ کامیابی ہو یا ناکامیابی دونوں کے اچھے اثرات بھی پڑتے ہیں اور برے اثرات بھی ہوتے ہیں۔ دراصل ساری بات اس پر منحصر ہے کہ زمین قلب وذہن شور اور بنجر ہے یا اس میں روئیدگی اور بالیدگی کی صلاحیت ہے۔ اچھی زمین کو سورج کی تمازت بھی فائدہ پہنچاتی ہے اور بارش بھی اور بنجر زمین کو دھوپ بھی نقصان پہنچاتی ہے اور پانی بھی۔ کوئی دل کوئی دماغ اس وقت تک صحیح اور درست نہیں ہو سکتا جب تک اسے اللہ اور قیامت کے دن کا یقین نہ ہو اور ان عقیدوں کی آبیاری حضورؐ اور اہلبیت علیہم السلام کی سیرت وارشادات سے نہ ہوئی ہو۔ جو دل ودماغ خدا اور قیامت کو مانتے ہیں اور اپنے افکار وعادات واطوار سب اپنے کو نبیؐ وامامؑ سے وابستہ کئے رہتے ہیں ان کے ایمان میں کامیابی سے بھی اضافہ ہوتا ہے اور ناکامیابی سے بھی۔ کامیابی ان میں شکر خدا کے جذبہ میں اضافہ کرتی ہے اور ناکامیابی دعا۔ تضرع۔ زاری وصبر میں اضافہ کرتی ہے۔ چیزوں کی طرح آدمی کے دل ودماغ میں بھی خیالات اور آرزوئیں آتی جاتی رہتی ہیں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جس کے دماغ میں موت کا خیال رہتا ہے اس کے دماغ سے دنیاوی نفع نقصان کے سارے خیالات چلے جاتے ہیں اور جس کے دماغ میں آخرت کے عذاب اور ثواب کا خیال آجاتا ہے اس کے دماغ سے موت تک کا خیال چلا جاتا ہے۔ مولائے کائنات حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ صرف وہ کام کرو صرف وہ آرزو رکھو۔ صرف ایسی عادتیں اختیار کرو جو مرنے کے بعد کام آئیں اس لئے کہ تم یہاں آئے ہو جانے کے لئے نہ کہ رہ جانے کے لئے لہذا

جہاں جانا ہے فکر و حوصلہ سب وہاں سے وابستہ رکھو۔

آنا جانا یہی دو لفظیں ہیں جن کے مجموعہ کا نام دنیا ہے۔ اگر دنیا کا تجزیہ کیا جائے تو آنا اور جانا یہی دو لفظیں اس کی حقیقت ثابت ہوں گی۔ مگر اسی کے ساتھ یہ بھی ایک زبردست حقیقت ہے کہ عموماً آنا اچھا لگتا ہے اور جانا برا معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے خوش آمدید کا لفظ ہر زبان میں پایا جاتا ہے مگر الوداع کے لفظ میں سوگ ہے خوشی اور مسرت نہیں ہے۔

اس مضمون کے لکھنے کا خیال بھی ایک سفر نے پیدا کیا۔ جب ہم جا رہے تھے تو لوگ گھر تک لینے آئے تھے۔ خطوط آئے تھے کہ تشریف لائے۔ ہم آپ کی آمد کے منتظر ہیں۔ اسٹیشن پر اترتے وقت خوش آمدید کہنے والوں نے بڑی پرجوش مسرت کا اظہار کیا ملے۔ ملایا۔ کھلایا۔ پلایا۔ نہلایا۔ دھلایا۔ کپڑے تبدیل کرائے صبح و شام خبر لی۔ کوئی نہ کوئی ہر وقت موجود رہا۔ سامان اٹھانا بڑی بات کوئی اٹھ کر پانی بھی نہیں پینے دیتا تھا۔ اگر محبت کرنے والوں کا بس چل جاتا تو وہ کوئی کام بھی نہ کرنے دیتے بلکہ ہمارے سارے کام وہی کر دیتے۔ مگر کھانا۔ پینا۔ سونا۔ جاگنا۔ اٹھنا بیٹھنا اور تمام حوائج ضروریہ کو کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا تھا۔ محبت کرنے والوں کی یہی مجبوری تھی۔ جہاں وہ ہم کو کام کرنے دیتے تھے غرض کہ رہے۔ سہے ادھر پروگرام پورا ہوا۔ اُدھر آؤ بھگت ختم ہوئی۔ چل چلاؤ شروع ہوا۔ روشنی والے روشنی لے گئے۔ ڈیکوریشن والے اپنا سامان لے گئے۔ جگہ ویران اور اجاڑ ہو گئی۔ اندھیرا بھی ہو گیا۔ نوکر چاکر۔ باورچی سب رخصت ہوئے۔ باورچی خانہ بند ہوا۔ شامیانہ اتر گیا۔ عمومی مہمان رخصت ہوئے۔ صرف ہم خصوصی مہمان باقی تھے۔ تھکے

ماندے لوگوں نے ہم کو بھی ممکن مجمع کے ساتھ رخصت کیا۔
بس میں بٹھا دیا۔ جب بس چلی تو ہم اکیلے تھے۔ بس ہمارا سامان ہمارا ساتھی تھا۔ بس سے اترے اسٹیشن پر آئے۔ ٹکٹ کی فکر کی۔ لائن میں کھڑے ہوئے۔ سامان کی نگرانی کی۔ اسٹیشن پر پہنچے۔ اب سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ کس طرح گاڑی میں جگہ مل جائے۔ جن لوگوں کا ریزرویشن تھا۔ وہ لپک لپک کر سوار ہو رہے تھے۔ کنڈکٹر ان کو آوازیں دے کر بلا رہے تھے۔ ہم اپنا سامان کاندھے پر لادے ہر دروازے کے سامنے تھوڑی دیر تک جگہ کے بھکاری بنے کھڑے رہتے۔ پھر جگہ نہیں ہے کی گرجدار ڈانٹ سن کر دوسرے ڈبہ کی طرف بڑھ جاتے۔ شروع سے آخر تک ساری گاڑی چھان ماری مگر نہ جگہ ملی۔ نہ منزل پر پہنچے۔ بلکہ اسٹیشن پر پڑے رہ گئے جہاں چور۔ جیب کترے۔ اٹھائی گیرے سب ہی ٹہل رہے تھے۔ سامان آدمیوں سے بچاؤ۔ کھانا کتوں سے بچاؤ۔ جسم کو مچھروں سے بچاؤ۔ مگر وقت کاٹے نہیں کٹتا تھا۔ بس دو ہی باتیں تھیں جن کے ساتھ کاش لگا ہوا تھا۔ کاش پہلے سے ریزرویشن کرا لیا تھا یا کاش اتنے پیسے ہوتے کہ فرسٹ کلاس کا ٹکٹ خرید سکتے۔ مگر مشکل تو یہی ہے کہ کاش تمنا تو بن سکتا ہے مگر مسائل کا حل نہیں بن سکتا ہے۔

سو دو سو میل کا یہ چھوٹا سا سفر تھا مگر اسی میں ہماری بدحالی اپنی انتہا پر تھی اور ہم سوچ رہے تھے آنا کتنا آسانی ہے اور واپس کتنی مشکل ہے۔ ہم خالی ہاتھ خالی دماغ بیٹھے تھے اور خالی دماغ میں خیالات کی ہوائیں سن سن چل رہی تھیں۔ اس سفر کی ابتدا یاد آئی۔ پھر گھر کا آرام یاد آیا پھر زمانہ تعلیم یاد آیا پھر بچپن یاد آیا۔ ماضی کو یاد کرتے کرتے غنودگی

سی طاری ہونے لگی ۔ آنکھیں کھلی تھیں یا بند یہ یاد نہیں ۔ مگر دماغ کے دریچے کھلے تھے ۔ یاد آیا کہ ہماری پیدائش کی ماں باپ ۔ دادا ۔ دادی سب کو بڑی تمنا تھی دعاؤں کے ذریعہ ہم دنیا میں بلائے گئے تھے جب ہم نے زمین پر قدم رکھا تو ہمارے ماحول میں خوش آمدید کی بھرپور مسرتیں پھیل گئی تھیں ۔ پھر سب نے پوری محبت کے ساتھ پالا ۔ کھلایا پلایا ۔ پہنایا ۔ اڑھایا ۔ پروان چڑھایا ۔ پڑھوایا لکھوایا ۔ دھوم دھام سے شادی کی گھر آباد ہو گیا ۔ زندگی نے سارے نشیب فراز طے کر لئے ہم نے بڑھاپے میں قدم رکھے ۔ معدہ کمزور آنکھیں کمزور ارادے کمزور ۔ زندگی اجاڑ ۔ امراض کے حملے ۔ افکار کے حملے ۔ احباب کے حملے ۔ غموں کے حملے ۔ بس اب واپسی ہے ۔ واپسی ۔ بس ایک موت کا حملہ باقی ہے جس دن وہ بھی ہو گیا ۔ لوگ قبر تک پہنچا آئیں گے ۔ قبر میں اتار آئیں ۔ اس کے بعد جنت جانے والی گاڑی میں جگہ ملے گی یا نہیں ۔ ہمارے سامنے بس یہی ایک مسئلہ ہو گا ۔ اگر ایمان اور مکمل پابندی کی کوشش کے ذریعہ ہم نے پہلے سے ریزرویشن کرالیا ہے تو فرشتے ہاتھوں ہاتھ لیں گے ۔ وادی السلام میں بٹھائیں گے اور جنت کا ٹکٹ دلائیں گے ورنہ آدمی مرنے کے بعد سے لے کر خدا کے سامنے حاضر ہونے تک ہر منزل پر ہر قدم پر بس یہی کہتا رہے گا ۔ اے کاش ہم نے ایمان اور مکمل پابندی دین کے ذریعہ ریزرویشن کرالیا ہوتا اور اتنا ذخیرہ آخرت جمع کر لیا ہوتا کہ جنت کی گاڑی میں فرسٹ کلاس بلکہ ایرکنڈیشنڈ کا ٹکٹ لے سکتے ۔ جو کل سامنے آنا ہے اسے آج سوچنا ہے جو سوچنا ہے اس کا فیصلہ کر کے عمل کرنا ہے ورنہ صرف سوچنا بھی کام نہیں آتا ہے ۔

سچ ہے دنیا میں آنا بہت آسان ہے اور واپسی بہت مشکل ہے ۔
اے کاش ... اے کاش ۔

شارٹ کٹ

دو مبلغ سفر کرتے ہوئے ایک جگہ پہنچے ۔جہاں سے چلے تھے ان لوگوں نے تھوڑا ناشتہ ساتھ کر دیا تھا۔جہاں ٹھہرے وہاں ناشتہ میزبان کے حوالے کر دیا۔ ۳ بجے سہ پہر کو دوپہر کا کھانا آیا۔ میزبان بھی شریک تھے۔ ۳ آدمیوں میں ۴ چپاتیاں تھیں ۔صبر و شکر کے ساتھ کھانا ہو گیا۔اور یہی خیال آتا رہا کہ کاش اپنا ناشتہ ہی رکھ لیا ہوتا ۔شب میں بھی میزبانی کی وضعداری میں فرق نہ آیا۔صبح کو دونوں مبلغ خود ہی روانگی کے لئے بے چین تھے ۔تبلیغ اور مہمان سے چھٹکارے کا یہ شارٹ کٹ تھا۔

کبھی زمینداری تھی ۔ ہر اماباڑہ میں ذاکر آتا تھا ۔ زمینداری ختم ہو گئی ۔ وراثت میں ذاکر بلانے کی ذمہ داری رہ گئی ۔بجلی کے پنکھے کی ہوا نقصان کرتی ہے ۔ لاؤڈ اسپیکر کی آواز کانوں کو بری معلوم ہوتی ہے ۔ گلیوں گلیوں نکل چلئے ۔ چھوٹے راستے سے سواری سے پہلے پہنچ جائیں گے یعنی گرمی سہنا ۔ پیدل چلنا ۔گلا پھاڑنا ذاکر کے حصے میں آیا ۔ اور خرچ کے شارٹ کٹ میزبان کے حصے میں آئے ۔

سکنڈ ڈویزن تو دھرا ہے یہ کہتے ہوئے داخل ہوئے ۔کیونکہ سال بھر میں چند دن پڑھا تھا ۔کچھ آگے والے کی کاپی دیکھی ۔کچھ سوچا اور جوابات اپنے خیال میں ایسے لکھ دئے کہ فرسٹ آنے میں اگر شبہ بھی تھا تو سکنڈ

پاس ہونے کا تو پکا یقین تھا۔ لیکن رزلٹ میں فیل نکلے۔ ۳ سال کا کورس ۶ سال میں کیا۔ کیونکہ علاوہ تعلیم کے ہر کام میں دخیل رہتے تھے اور ڈگری ملازمت خوش حالی۔ عزت تک شارٹ کٹ کے ذریعہ پہنچنا چاہتے تھے۔ نتیجہ میں شارٹ کٹ لانگ روٹ میں تبدیل ہو گیا۔

ڈیوٹی سے آتے ہی معمّہ بھرنے میں لگ گئے۔ بیوی چولھا جلائے بیٹھی سلگ رہی ہیں کہ میاں بازار سے جا کر سودا لے آئیں تو ہانڈی مکمل ہو۔ مگر میاں معمّہ حل کر رہے ہیں۔ معمّہ تو حل نہ ہوا۔ البتہ گھر میں جھگڑا ہو گیا۔ جھگڑے کے بعد گئے بھی تو دماغ معمّہ میں لگا رہا۔ آدھا سودا لائے آدھا نہیں لائے بلکہ اس کے بجائے دوسرا سامان اٹھا لائے۔ لڑتے ہوئے گئے لڑتے ہوئے آئے۔ واپسی پر مزید جھگڑا ہو گیا۔ سامان پھینکا بیوی کو چولھے میں جھونکا اور معمّہ میں لگ گئے۔ ہزاروں معمّے بھر کر مزید بھیج دیے مگر کبھی انعام نہیں نکلا یہ شارٹ کٹ سے دولتمند ہونا چاہتے تھے مگر گھر سے پیسے بھی گئے اور جھگڑے کھڑے ہو گئے۔

درجنوں لاٹری کے ٹکٹ ہر ماہ خریدے۔ اور لاٹری کھلنے کے دنوں کا انتظار کرتے رہے۔ ہمیشہ جاگتے میں لکھ پتی ہونے کا خواب دیکھتے رہے۔ پیسے بھی گئے۔ حرام میں خرچ کرنے کے گناہ گار بھی ہوئے۔ انتہائی کرب میں زندگی بسر کی۔ چڑ چڑے ہو گئے۔ لوگ سنکی کہنے لگے گھر باہر سب جگہ زندگی مشکل ہو گئی۔ لاٹری نکلنے کی امید میں قرضدار بھی ہو گئے شارٹ کٹ سے امیر بننے کی کوشش اور غریب ہو گئے۔ قرض بڑھا۔ عزت گھٹی۔

گلا اچھا ملا تھا۔ لوگوں نے گلا استعمال کر لیا۔ میرا کلام پڑھ دو۔ میرا

کلام پڑھ دو ۔ ساتھ جانے لگے عزت پانے لگے ۔کبھی کبھی کسی نے کچھ کہہ کر دے دیا۔ کلام اور گلا ۔ مشاعرہ و مقاصدہ لوٹ لیا ۔ شارٹ کٹ سے شاعر ہو گئے مگر نہ تعلیم ۔ نہ صلاحیت ۔ آخر چوری کا کلام پڑھنے لگے ۔ غلط بھی ناموزوں بھی یہاں تک کہ مطبوعہ کلام بھی پڑھنا پڑا ۔ پڑھائی کا زمانہ گذرتا گیا اور یہ مشاعرے پڑھتے رہے ۔ کنٹھا پوٹا ۔ گلا رخصت ۔ عزت ختم دعوتیں معدوم ۔ جوتے کا کام سیکھنے گئے دل نہ لگا ۔ زردوزی میں جی نہ لگا ۔ کھانا تو درکنار بیڑی بیڑی کو محتاج ہیں ۔ لق و دق زندگی کیسے گذرے ۔ کون پوچھے عزت کے شارٹ کٹ نے ذلت پیدا کر دی ۔ علاوہ حرام موت کے اس سے نجات پانے کا کوئی ذریعہ نہیں مگر خودکشی کے شارٹ کٹ کے بعد دوزخ کی دائمی آگ ہی آگ ہے ۔

حافظہ تیز تھا ۔ گھر میں ذاکروں کے فضائل اور قصائد بیان ہوتے تھے ۔ فلاں نے اتنا کما لیا ۔ کار ہے ۔ بلڈنگ ہے ۔ اتنے مشہور ہو گئے سن سن کر صاحبزادے کو ذاکر بننے کا شوق ہو گیا ۔ مجلسوں میں پابندی سے شرکت کرنے لگے ۔ ٹیپ جمع کرنے لگے ۔ آئینہ کے سامنے مشق تقریر کرنے لگے ۔ پہلے محلہ میں پڑھی ۔ پھر شہر میں پھر باہر نکلے ۔ پارٹی میں شامل ہو کر ۔ ذاکر ہو گئے ۔ دین سے نہ کوئی مطلب تھا ۔ نہ کوئی ہو سکتا تھا ۔ والدین خوش کہ گھر جنت بننے لگا ۔ صاحبزادے خوش کہ مشہور ذاکر ہو گئے ۔ سامعین خوش کہ مجلس زوردار رہی ۔ بانی مجلس خوش کہ مجلس کامیاب رہی ۔ صرف حسینؑ ناخوش تھے کہ کاش تم علم دین حاصل کر کے ذاکر ہوتے تو میں نے اپنے خون سے جس دین کو بچایا تھا ۔ تمھارے بیان سے اس دین کا خون نہ ہوتا ۔ مگر ذاکر اور ان کے خاندان کا خون

مارے خوشی کے بلیوں اچھل رہا ہے کہ بغیر پڑھے لکھے ڈائیلاگ اور ذاکرین کے کیٹلاگ کے شارٹ کٹ سے یہ کماؤ ذاکر ہو گئے۔

ایسی پابندی سے آغاز بلوغ سے ڈاڑھی مونڈی کہ گھر والے اور ساتھی سب اس دھوکہ میں رہے کہ غریب کے ڈاڑھی نکلی نہیں۔ قد لمبا ہوا۔ قبا بھی لمبی ہو گئی۔ اگر ڈاڑھی بھی ہوتی تو ماہ مبارک میں بڑے ٹھاٹھ باٹھ کے شاندار پیش نماز ہو جاتے۔ مگر وہ رمضان سے ایک ہفتہ قبل ہمیشہ غائب ہو جاتے اور عید کا چاند بن کر نکلتے۔ معلوم ہوتا کسی دور دراز صوبہ میں تھے یہ ساری زندگی خواجہ سرا رہتے وہ تو ایک دن مدرسہ میں ان کا ایک ماموم معلوم نہیں کیسے ٹپک پڑا۔ تو غائب ڈاڑھی کا پتہ چلا۔ اس غیر عادل ماموم نے اپنے امام کی عدالت کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ ڈاڑھی غائب تھی۔ عدالت غائب تھی۔ نماز میں قرأت بھی غائب تھی مگر مسائل سے جہالت موجود تھی۔ مگر ماموم بھی تو جاہل تھے۔ ایسوں کو تو بے غسل و وضو پڑھانا چاہیے انھوں نے بنا بر تقدس ہمیشہ وضو سے پڑھائی۔ اس حادثہ کے بعد ماہ رمضان کے تمام پیش نماز شعبان سے ڈاڑھی بڑھانا شروع کر دیتے ہیں اور عید بعد قصر ریش کر دیتے ہیں۔ صرف ڈاڑھی کے ذریعہ پیش نماز ہو جانا پیش نمازی کا شارٹ کٹ ہے۔ مومنین کو بھی کسی دام پر رمضان میں پیش نماز درکار رہے۔ پیش نماز بھی دام بچھائے ہیں ان کے دام لگ گئے۔ وہ دام میں آگئے۔ آخری لڑائی دونوں دوزخ میں لڑلیں گے وہاں تو بڑے بڑے امام و ماموم لڑ رہے ہوں گے۔ ایک کونے میں ان کا بھی حقیر سا دنگل ہو جائے گا۔ پھر لڑ بھڑ کر بھی ایک ہی جگہ تو رہیں گے۔

میاں کب دستارِ فضیلت باندھنے جارہے ہیں۔ اب نجف تو جانا نہیں ہوتا قم جانا پڑے گا۔ معتقد نے جناب سے صاحبزادے کے لئے پوچھا۔ جو آج تو سینما جارہے ہیں۔ وہ کل جب آئے گا تب آئے گا جب قم جانا ہوگا اور کیسے جانا ہوگا وہاں تو اب لمعہ کا امتحان ہوتا ہے۔ لمعہ تو باپ نے بھی نہیں پڑھی تھی مگر نجف جاکر جناب ہو آئے تھے۔ لمعہ کی مشکل کا حل نکالا دور کا سفر کیا۔ باپ واپس آ گئے۔ بیٹے کہیں امام جمعہ و جماعت ہو گئے۔ اب جو پلٹے تو شارٹ کٹ سے جناب ہو چکے تھے۔ جناب ہونا خود بھی مجتہد اور فقیہ ہونے کا شارٹ کٹ ہے۔

غرضکہ شارٹ کٹ یعنی اپنے کو بھی دھوکہ دینا ہے اور دوسرے کو بھی دھوکہ میں رکھنا ہے۔ بلیک کے شارٹ کٹ سے لکھ پتی ہونا۔ سنجے کے ۵ نکاتی اندرا کے ۲۰ نکاتی پروگرام کے شارٹ کٹ سے نیتا۔ وزیر اور پارٹی کا عہدہ دار ہونا۔ دل بدلی کے شارٹ کٹ سے منسٹر ہونا اگر قابل مذمت ہے تو جاہل کا شاعر بن جانا۔ دین سے بے بہرہ کا ذاکر ہو جانا۔ بے علم و بے عمل پیش نماز ہو جانا۔ لباس کی بنیاد پر مجتہد ہو جانا بھی قابل مذمت ہے۔ اور قابل عذاب بھی۔ ان کو آخرت میں عذاب ہوگا اور یہ دنیا میں دوسروں کے لئے عذاب بنے رہیں گے۔

لیکن اصول دین کو پڑھے۔ سمجھے اور مانے بغیر صرف سن کر اپنے کو مسلمان مومن۔ محب اہلبیتؑ سمجھ لینا اور واجبات چھوڑ کر۔ گناہوں میں ڈوب کر صرف چند نذریں اور مجلس کرکے اور تھوڑے سے کار خیر انجام دے کر اپنے کو پکا جنتی سمجھ لینا۔ ہماری بڑی خطرناک بھول ہے۔ کیونکہ ہم اس شارٹ کٹ سے اپنے کو دوزخ میں کھڑا پائیں گے۔ اس کے بجائے علم دین حاصل کرکے معرفت و ایمان حاصل کریں اور عمل صالح کو اپنائیں تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داخل جنت ہوں۔

کٹ پیس

سستا اور مہنگا دونوں لفظ ہمارے سماج پر چھائے ہوئے ہیں۔ سب کو سستے کی فکر ہے اگرچہ اکثر سستے کی فکر میں مہنگے آدمی سستے ہو جاتے ہیں اور سستا سامان مہنگا خرید لاتے ہیں۔ کٹ پیس کی مقبولیت دا ہمیت کی وجہ یہی ہے کہ مہنگی چیز سستی مل جائے گی۔ تھان کے آخر میں جب بے جوڑ ٹکڑا بچ جاتا ہے تو اس کا شمار کٹ پیس میں ہو جاتا ہے۔ سمجھدار دوکان دار تو ایسے ٹکڑے ہی نہیں کاٹتے کہ آخر میں بے تکا ٹکڑا بچ جائے مگر کم ناپنے کی وجہ سے کبھی مل کے کاریگر تھان چھوٹا کر دیتے ہیں اور کبھی دوکاندار چھوٹا ٹکڑا بچا لیتے ہیں۔ اس طرح کٹ پیس عالم وجود میں آ جاتا ہے۔

کٹ پیس سے فائدہ اٹھانے والے بھی ہیں اور نقصان اٹھانے والے بھی۔ مثلاً دوکاندار اصل اور نفع سب کما چکا مگر اس کے پاس بہت سے ٹکڑے بچ گئے ان کے بیچنے کا آسان راستہ نکالا جس دام پر بکے لاٹ کی لاٹ بیچ ڈالو۔ جو بھی مل جائے وہ نفع ہی نفع ہے چنانچہ کٹ پیس خود ایک بزنس ہو گیا۔ اس کے تھوک بیوپاری بھی ہیں اور خوردہ فروش بھی۔ خوردہ فروش فٹ پاتھ پر دوکان لگائے بیٹھے ہیں اور کچھ گاؤں۔ گلیوں میں آواز دیتے چکر لگا رہے ہیں۔ اور عورتوں کو چکر آ رہے ہیں کہ کس طرح

سستا مال خریدا جائے۔ کس طرح ایک ٹکڑے سے لباس تیار کیا جائے۔ یا دو ٹکڑے ایسے مل جائیں کہ کپڑا نہ گھٹے نہ بچے۔ یہ بھی فکر ہے کہ رنگ میں فرق نہ ہو جائے۔ ورنہ کٹ پیس کا کپڑا ہے یہ بات پیرٹ لی جائے گی۔ دوکاندار مچھلی کے شکاری کی طرح بیٹھا ہے۔ کہ مچھلی چارہ نگل لے تو پھر کہاں جائے گی۔ اس کی نگاہیں جانچ رہی ہیں کہ کونسا کپڑا پسند آگیا۔ پسند کے بعد دوکاندار کی پسندیدہ قیمت میں سستا کپڑا مہنگا خریدا خوشی بھی رہے گی کہ سستا مل گیا۔ سچی بات یہی ہے کہ کوئی دوکاندار کبھی نقصان میں نہیں بیچتا۔ البتہ خریدار کو اطمینان دلا دیتا ہے کہ آپ کی وجہ سے ہم نقصان میں بیچ رہے ہیں۔

کٹ پیس کا کاروبار زندگی کے ہر حصّہ میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً دعوت میں مہمان کم آئے یا کھانا زیادہ پک گیا یا مہمانوں نے توقع سے کم کھایا۔ غرضکہ کھانا بچ رہا۔ جس وقت دعوت کا پروگرام بن رہا تھا اس وقت کچھ غریب عزیز دوست یا پڑوسی یاد آتے تھے۔ مگر ان کو امیروں کے ساتھ بلانا اس لئے پسند نہیں آیا کہ غریب عزیز یا دوست یا پڑوسی امیروں کے درمیان ہماری غربت کی علامت بن جائیں گے اور جس عزت کے حاصل کرنے کے لئے ہم دعوت کر رہے وہ مقصد ہی فوت ہو جائے گا کیونکہ ہم نے تو دعوت دینے کو امیر ظاہر کرنے کے لئے ہی کی ہے۔ چاہے اس کے بعد ہمارا گھر اور غریب ہو جائے ہمارے بچے اور غریب حالت میں رہیں مگر دعوت کے دن تو عزت بچ جائے۔

قسمت دیکھئے کہ اسی دن ایک غریب عزیز گاؤں سے آگئے۔ جو مسئلہ بن گئے ان کو چھپایا کیسے جائے۔ امیروں نے دیکھ لیا تو عزت

چلی جائے گی اور ان سے دعوت کیسے چھپائی جائے اگر انھوں نے دعوت دیکھ لی تو عزیز داری تو ہمیشہ کی ہے ۔ دعوت تو ایک دن کی ہے ۔ ہمیشہ طعنہ کون سنے گا ۔ غرضکہ عزیز کے لئے "گھر نکالا" منصوبے تجویز ہونے لگے پلان پر پلان بنے ۔ آخر میں ایک دوسرے عزیز کو طلب کیا گیا جو دیہاتی عزیز کو لینے آئے اور پلان کے مطابق یہ کہتے ہوئے لے گئے کہ آج تو آپ ہمارے یہاں رہیں گے ان کے یہاں تو آتے ہی رہتے ہیں ۔ یہ عزیز کو لینے نہیں آتے ہیں بلکہ غربت ۔ دیہاتیت وغیرہ کا ڈھیر اٹھانے آتے ہیں اور ڈھیروں احسان کرنے آئے ہیں ۔ عزیز کو لینے نہیں آتے ہیں بلکہ چپک جانے والے عزیز داری کو چھڑانے آئے ہیں ۔ غرضکہ عزیز کو عزیز اٹھا لے گئے تب جان عزیز نے اطمینان کا سانس لیا ۔ مگر بدقسمتی سے ایک شریف بھوکا اس وقت کھانے کا سوال کرنے لگا جب کھانا تیار تھا ۔ مگر بڑے مہمان نہیں آئے تھے جن کے انتظار میں میزبان کباب ہو رہے تھے البتہ چھوٹے مہمان آ گئے تھے ۔ جو تھوڑی دیر کے بعد اپنے گرم اور لعن طعن والے فقروں سے میزبان کی بریانی ان کی کھوپڑی میں دم کر رہے تھے ۔ بھوکے سائل پر میزبان بھوکے شیر کی طرح جھپٹ پڑے ۔ پیٹ بھر گالیاں دیں ۔ بھوکے کا پیٹ کئی سال کے لئے گالیوں سے بھر دیا ۔ گالیوں کا کچھ تحفہ بھوکے کے مرحوم والدین کو قبر میں بھیج دیا ۔ کچھ اس کی کنواری پاک دامن بہن اور بیٹی کے لئے بطور جہیز دیدیا ۔ بھوکا چلا گیا مگر دور تک گالیاں اس کو رخصت کرنے کے لئے آتی رہیں ۔ بھوک سے اس کا دماغ سنسنا رہا تھا ۔ گالیوں سے اس کے کان بج رہے تھے ۔ خدا اس کے صبر کو دیکھ رہا تھا ۔ کیونکہ وہ اس گھر پر چلا گیا تھا جہاں اس کی

روزی تو نہیں اتری تھی - مگر یہ ہدایت اتری تھی کہ سوال کرنا عزت کا
بیچنا ہے - لہذا ہمیشہ شریف دیکھ کر سوال کرو - نا اہل سے سوال نہ کرو۔
بھوکے کو ایک شخص نے آواز دی - اس نے پلٹ کر دیکھا تو پکارنے والا
اس کا مسجد کا ساتھی تھا - جو اس کی طرف دوڑنے کی حد تک لپک رہا
تھا - قریب پہنچ کر اس نے سوال کیا - آج ہی آپ مسجد میں نہ آسکے -
اور آج ہی میرے گھر کچھ مہمان آگئے - میں نے ان کی موجودگی سے
فائدہ اٹھاتے ہوئے بچہ کا عقیقہ کر دیا - مجھے امید تھی کہ آپ مسجد میں
مل جائیں گے تو آپ کو مدعو کر لوں گا - پروگرام اچانک بنا تھا ورنہ صبح
کی نماز میں وعدہ لے لیتا - جب آپ مسجد نہیں آئے تو میں بڑے
افسوس میں تھا کہ آپ کی شرکت کے بغیر میرے گھر میں برکت کی کمی رہ جائے
گی - مگر میری خوش نصیبی دیکھئے کہ میں برف لینے نکلا تھا کہ آپ بھی مل گئے
برف بھی مل گئی اور آپ کو دیکھ کر میری آنکھوں کو بھی ٹھنڈک مل گئی -
بھوکا آج بھوک کی شدت سے مسجد نہ جا سکا تھا - غیرت کی بنا پر کسی سے
کچھ کہہ بھی نہ سکا تھا تلاش معاش میں دور کے محلہ میں نکل گیا تھا - جب دم
نکلنے لگا تھا تو اس نے کھانے کی پھیلی خوشبو کے سہارے سوال کر لیا تھا
جس کا حشر بھی اس نے دیکھ لیا تھا اور اب اپنے خالی گھر خالی پیٹ
واپس جا رہا تھا - مگر روزی اس کا تعاقب کر رہی تھی - جس وقت یہ بھوکا
اپنے مسجد کے نمازی کے گھر میں داخل ہوا اسی وقت دعوت والے گھر
میں بڑے مہمان داخل ہوئے - جن کے لئے میزبان فرش ہوئے جا رہے
تھے - اور ان کے دیر میں آنے کی وجہ سے باقی مہمان خفیہ طور پر ان کو بھر منہ
گالیاں دے رہے تھے اور اعلانیہ خوش آمدید کہہ رہے تھے -

غرضکہ دعوت ختم ہوئی - مہمان رخصت ہوئے - کھانا بچ رہا جو فرج میں رکھا جا سکتا تھا وہ رکھ دیا گیا - باقی کے سڑنے کے یقین نے گھر والوں کو دعوت کی اس 'کٹ پیس' کے بارے میں غور کرنے پر مجبور کیا - گئی رات کے اس حصہ میں کھانا کس کو دیا جائے - فقیر ڈھونڈھے گئے - انھوں نے کھانا تو لے لیا مگر نیند میں مست تھے سرہانے رکھ کر سو گئے - البتہ کتے جن کو رات میں نیند نہیں آئی - انھوں نے کھایا - کوئی نظر نہ آنے والا کہہ رہا تھا - حق بہ حقدار رسید اور مہمان - میزبان - اور کتے سب صبح کو خراٹے لے رہے تھے -

ادھر بھوکا جب اپنے میزبان کے گھر میں داخل ہوا تو سب سے بڑا مہمان وہی تھا - باقی مہمان اس سے ملاقات کے بھوکے تھے میزبان سے اس کی عبادت - محنت - ایثار کے واقعات پر واقعات سن چکے تھے سب نے کھانا کھایا - شکر خدا ادا کیا - کسی کو نہیں معلوم تھا کہ بھوکا دو وقت کا بھوکا تھا کیونکہ دو دن سے اسے مزدوری نہیں ملی تھی - پھر باتوں کا سلسلہ دراز ہوا تو کسی نے پیر بھی دراز نہیں کئے اور صبح ہونے لگی تو سب نے پہلے نماز شب پڑھی پھر مسجد میں بہ جماعت نماز صبح پڑھی - اور ایک دوسرے سے گلے مل کر رخصت ہوئے - میزبان بار بار شکر ادا کر رہا تھا کہ اس کو اصلی مہمان مل گیا - جس کی بھوک کا کسی کو علم نہ تھا - اور بھوکا بار بار استغفار کر رہا تھا کہ مالک معاف کر دے میں نے تجھ سے کیوں نہ مانگا - صبح کو اسے پھر کام مل گیا - ظہرین میں سب کی ملاقات پھر مسجد میں ہوئی اور سب کے دل چہرے تک خوش تھے -

ادھر صبح ہوئی تو عزیز نے عزیز کو چھوڑ دیا - اسی لئے کہ رات بھر

رو کے رکھنے کا وعدہ تھا۔ اور عزیز اپنے پرانے ٹھکانے پر پہنچا تو دیکھا نہ کوئی چیز ٹھکانے سے ہے اور نہ کوئی آدمی ٹھکانے پر ہے۔ سب سامان پھیلا پڑا ہے۔ سب بے سدھ پڑے ہیں۔ سب کو جگایا۔ اپنی حاضری لکھائی اور یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گیا کہ کل دعوت کے لئے ہم کو گھر سے نکالا آج فریج سے کھانا نکال کر ہم کو نہ کھلاؤ۔ ہم عزیز ہیں کتے نہیں۔ کھانے کے لئے نہیں عزت کے لئے ملتے ہیں۔ خیرات کی کٹ پیس کام نہ آئی۔

مرنے والے نے ساری زندگی خمس نہیں نکالا۔ کفن کا خمس اگر نکالا گیا تو یہ خمس کا کٹ پیس ہے ساری زندگی کے اعمال برباد ہوئے کیونکہ خمس نکالے بغیر اعمال کئے تھے۔ البتہ حج وزیارت کے وقت خمس کا کٹ پیس نکال دیا تاکہ خرچیلی عبادت ضایع نہ ہونے پائے۔

مذہب اگر مانا ہے تو اس کے پورے احکام پر لازم ہے۔ مذہب کے کٹ پیس نہ بنائیے ورنہ مذہب کٹ جائے گا۔ اور کٹ پیس والا پٹ جائیگا اپنے کو چوپٹ کرنے سے کیا فائدہ۔

ریڈی میڈ

سہولت ہر آدمی چاہتا ہے۔ لیکن ہر خواہش اپنے محل اور موقع پر مناسب ہوتی ہے۔ سہولت پسندی نے بے شمار ایجادیں کرائیں اور اَن گنت مشکلوں کو دور کیا۔ سہولت پسندی نے ریڈی میڈ کپڑوں کا چلن شروع کیا۔ ایک بار ناپ دینے جاؤ۔ دوسری مرتبہ ٹرائل دینے جاؤ۔ تین بار ابھی تیار نہیں ہے کا جواب سن کر واپس آؤ۔ اس سے اچھا ہے ریڈی میڈ کپڑوں کی دوکان پر جاؤ اور ایک نہیں دس جوڑے خرید لاؤ۔

لیکن سہولت پسندی نے چادر سے آگے پیر پھیلانا شروع کر دیے جاہل قصابوں نے مولوی صاحب سے چھری پر بسم اللہ پڑھوالی اور بسم اللہ والی چھری کو الگ بڑی احتیاط سے رکھا تاکہ بسم اللہ کی ضرورت نہ رہے۔ بس پھنکی ہوئی چھری ایک گھر میں کافی ہے۔ پھر پھنکی چھری ماڈرن بنی۔ ذبح کرنے کی مشین ایجاد ہوگئی۔ جو بسم اللہ کر کے چلا دی گئی اور سب جانور شرعی طور پر ذبح ہو گئے پھنکی ہوئی چھری۔ پھنکی ہوئی مشین میں تبدیل ہوگئی مگر پھر بھی کمی رہ گئی تھی۔ جس کو حل کرنے والوں نے یوں حل کیا کہ غیر حلال شدہ جانور کا گوشت بسم اللہ کہہ کر کھاؤ۔ بس اتنا کافی ہے۔ بسم اللہ پڑھنے سے بھی بچت کا

راستہ نکلا جانور جبس مشین سے ذبح ہوں گے ۔ اس پر بسم اللہ لکھی ہوئی
ہے ۔ بس ہینڈل گھمانے کی ضرورت ذبیحہ کے یہ ریڈی میڈ طریقے ایجاد
ہوگئے ۔ مگر مسلمان راضی نہیں ہوئے ۔ احتجاج کیا اور پھر مولوی صاحب
ایک ایک جانور کو ذبح کرنے لگے ۔ کیل گھر میں قصاب کو مولوی صاحب
کہا جاتا ہے ۔ کچھ مولوی قصابی کا کام کرتے ہیں مگر قصاب نہیں کہلاتے ۔
وہ جانور نہیں ذبح کرتے ہیں ۔ خون بہنے نہیں دیتے ہیں ۔ یہاں شریعت
شرافت ۔ تقدس ذبح ہوتا ہے ۔ اور جو انسان ذبح کئے جاتے ہیں ۔
ان کو عقیدت عل ۔ جنت کی امید کے شاک لگا دیے جاتے ہیں ۔ وہ
بے ہوشی میں ذبح ہوتے رہتے ہیں ۔ خون کو چوس لینا خون کو بہنے دینے
سے بہتر قرار دینا کیا بری بات ہے ۔

ریڈی میڈ ذبیحہ کی مخالفت مسلمانوں نے اس لئے کی کہ وہ حرام
گوشت نہیں کھا سکتے ۔ البتہ مال حرام میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ حرام
گوشت دوسرے کے ہاتھوں حرام ہوا ہے اور مال حرام کو تو ہم نے خود
حلال کیا ہے ۔

ریڈی میڈ کے چلن نے شادی گھر بنوا دیئے ۔ آرڈر دے دیجئے ۔
شادی گھر بک کرا لیجئے ۔ آئیے اور شادی کر کے چلے جائیے ۔ علاوہ رقم کی
ادائگی کے کوئی اور کام نہ کرنا پڑے گا ۔ مگر لوگ اب ریڈی میڈ شادی
چاہتے ہیں کہ شادی ہو گئی ہے ۔ نکاح پڑھوانا باقی ہے ۔ جو کبھی پڑھوا
لیں گے ۔

لوگ ریڈی میڈ مذہب کی مانگ عرصہ سے کر رہے ہیں ۔ روزہ
نہیں رکھیں گے ۔ روزانہ ایک غریب کو کھانا کھلا دیں گے ۔ نماز نہیں

پڑھیں گے۔ روپیہ چھوڑ جائیں گے مرنے کے بعد پڑھوا دینا۔ زکوٰۃ خمس نہیں نکالیں گے۔ خیر خیرات کر دیں گے۔ گھر بھر بے نمازی ہے۔ سب سو رہے ہیں۔ مگر صبح کو مولوی صاحب برکت کے لئے ایک پارہ قرآن مجید کا پڑھ جاتے ہیں۔ پہلے سیٹھ ان کو پانچ روپیہ دیتے تھے۔ اب دس کر دیے ہیں۔ عید کے دن کپڑے بھی بنا دیتے ہیں۔ مولوی صاحب بھی سیٹھ صاحب کے سامنے اتنا جھکے جاتے ہیں جتنا خدا کے سامنے بھی نہیں جھکے تھے۔

سیٹھ صاحب بھی مولوی صاحب کا کندھا پکڑ کر کہتے ہیں کہ ہم تو گناہ گار آدمی ہیں لیکن مولوی صاحب کا کندھا پکڑ کر جنت میں چلے جائیں گے۔ سیٹھ صاحب کے مرنے پر مولوی صاحب بھی کہہ رہے ہیں بڑا جنتی آدمی تھا۔ جب کسی کے لئے کچھ مانگا کبھی انکار نہیں کیا۔

مگر سیٹھ صاحب جنت میں کیسے جائیں گے۔ مولوی صاحب کا کندھا تو ابھی دنیا میں ہے اور دنیا کا بوجھ لادے ہے۔ قربانی کا بکرا جنت پہنچا دے گا۔ اسی لئے حج کبھی یاد نہیں آیا اور قربانی کبھی فراموش نہیں ہوئی۔ کیونکہ حج میں کوئی مقابلہ نہیں ممکن ہے۔ بکرے کی خریداری میں مقابلہ بھی ممکن ہے۔ اور لوگوں سے تعریفیں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ حکم خدا پر نہیں چلیں گے۔ البتہ جلتی زمین پر یا آگ پر چل کر سارے گناہ بخشوالیں گے۔ مجلس آنے جانے میں بڑی زحمت ہے۔ کیسٹ سن لیں گے۔ وی ڈی او میں ذاکر کو بھی دیکھ لیں گے۔ گھر میں چلتے پھرتے سن لیں گے۔ کھانا کھاتے ہوئے سن لیں گے۔ مجلس میں بھی کب دل لگتا ہے یہاں بھی دو چار فقرے کان میں پڑ ہی جائیں گے۔ ثواب کچھ تو مل ہی جائے گا۔ اور سب کام بھی جاری رہیں گے۔ مجلس جاتے میں تو بڑا ٹائم ویسٹ ہوتا ہے۔

شب عاشور بیگم سب تعزیوں پر نذرانہ چڑھا آتی ہیں۔ جس کی ایسی جنتی بیوی ہو اس کا شوہر جنت سے محروم رہے گا۔ یہ اور ایسے ہی تمام تصورات ریڈی میڈ مذہب کے ذریعہ کام چلانے کی غلط کوشش ہے مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر ریڈی میڈ مذہب سے کام چل جاتا تو شریعت حلال و حرام وواجبات کی پابندیاں عائد نہ کرتی اور ان پابندیوں کو بحال رکھنے کے لئے حسینؑ اتنی بڑی قربانی نہ دیتے۔

ڈھیل تباہی کی جھیل

سختی اور نرمی دونوں کی ضرورت پڑتی ہے چاہے گھر سنبھالنا ہو چاہے معاشرہ یا ملک سنبھالنا ہو۔ لیکن بے جا سختی اور بے جا نرمی دونوں فرد کو گھر کو خاندان کو ملک و قوم و معاشرہ کو تباہ کر دیتی ہیں۔ بے جا نرمی کا نام ڈھیل ہے جو بے شک و بلاشبہ تباہی کی جھیل ہے بے شمار بچے۔ جوان عورتیں۔ کارخانہ۔ کاروبار۔ اسکول۔ کالج۔ حکومتیں اور قومیں اسی ڈھیل کی جھیل میں ڈوبی اور تباہ ہوئی ہیں اور ایسی تباہ ہوئی ہیں کہ آج ان کا نہ کوئی نام ہے نہ کوئی نشان نہ کوئی اثر ہے نہ کوئی یادگار نہ کوئی ذکر باقی ہے نہ کسی کو ان کی فکر ہے۔ وہ خود بھی ڈوبے اور اپنے ہر ہمنوا کو بھی لے ڈوبے۔ تباہی کی اس جھیل میں ہزاروں سال کی تاریخیں۔ تہذیبیں اور تمدن ڈوبے پڑے ہیں اور اس طرح سڑ گل گئے ہیں کہ سوائے فرشتوں کے لکھے نامہ اعمال کے کہیں ان کا اتہ پتہ نہیں ہے۔ ڈھیل ہمیشہ شخصیت پرستی خاندان پرستی۔ نسل پرستی اور مفاد پرستی سے پیدا ہوتی ہے اور ہمیشہ اصول و قانون و احکام کی خلاف ورزی کراتی ہے۔ اللہ کے یہاں ظالم کی رسّی دراز ہو سکتی ہے لیکن دین و مذہب و شریعت میں ذرہ برابر ڈھیل نہیں ہو سکتی ہے۔ جس کی سب سے واضح مثال شیطان کی ہے۔ جس کی رسّی دراز ہے۔ جسے ایک معین دن تک کی چھوٹ دی گئی ہے۔ یہ معین دن اس وقت تک

نہیں آئے گا جب تک ہر شیطنت اور ہر شیطان کا مٹانے والا اور پوری کائنات پر اللہ کی سلطنت کا قائم کرنے والا ظہور نہیں کرتا ہے۔ بعد ظہور شیطان مٹ جائے گا۔ مگر رسی کے دراز ہونے کے باوجود اللہ نے حکم کی خلاف ورزی پر ایک سکنڈ کی ڈھیل نہیں دی۔ بلکہ اسی وقت اسے جنت سے نکالا لعین اور رجیم قرار دیا۔ دوزخ کو اس کا ٹھکانہ قرار دیا ایک شیطان ہی کا واقعہ نہیں ہے بلکہ پوری تاریخ دین یہی ہے کہ اللہ کے کسی عہدہ دار نے کسی نبیؑ اور امامؑ نے رتی برابر ڈھیل نہیں دی۔

جب طوفان جناب نوحؑ آگیا۔ ظالموں کی مہلت ختم ہوگئی۔ جن کی رسی دراز تھی۔ ان کے ہلاک ہونے اور ڈوبنے کا دن آگیا۔ صرف جناب نوحؑ کی کشتی نجات کا ذریعہ رہ گئی تو جناب نوحؑ نے اپنے نافرمان بیٹے کو آواز دی آج سوائے کشتی کے کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا۔ مگر بے عمل۔ بدعمل۔ بدروح بیٹے نے اپنے باپ کا کہنا نہیں مانا۔ بزرگوں کے نام نیک پر کلنک کا ٹیکہ بننے والا ناخلف پسر نوحؑ ڈوبا اور ہر عہد کے ناخلف کے لیے ضرب المثل بن گیا۔ جناب نوحؑ جانتے تھے کہ بدعقیدہ و بدعمل بیٹا آج طوفان میں ڈوبے گا اور کل دوزخ میں جلے بھنے گا مگر صرف اس لئے کہ کسی ڈھیلے ایمان اور گمراہ عقیدہ والے کے دل میں کوئی کور کسر دین کے بارے میں نہ رہ جائے آپ نے خدا سے کہا کہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے لہٰذا اس کی نجات ہو جائے اور اور خدا نے یہ جانتے ہوئے کہ جناب نوحؑ معصوم ہیں۔ علم و معرفت میں اولوالعزم رسولؐ کے درجہ پر فائز ہیں جواب میں کہا کہ یہ نا اہل ہے۔ بدعمل ہے لہٰذا اس کا شمار تمہارے اہل میں نہیں ہو سکتا۔ بلکہ نا اہل کی نجات کی بات کرنے والے کا شمار جاہلوں میں ہو جائے گا۔ گفتگو جناب نوحؑ سے نہ تھی

بلکہ ان کے ذریعہ ہم سب بتھی کہ مذہب میں ڈھیل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ نبیؑ کا بیٹا نہیں بچ سکتا ہے۔ نبی بھی نہیں بچا سکتا ہے۔ بلکہ اپنی بلند منزلت و نبوت کے بچانے کے لیے نا اہل کے بچانے کی بات بھی نہیں کر سکتا ہے۔ یہ گفتگو بے عملی پر آمادہ کرنے والے افراد کے لیے قابل عبرت ہے کہ وہ اپنے لیے اور اپنے ہمنواؤں کے لیے کیسی آگ بو رہے ہیں۔

جناب نوحؑ اور جناب لوطؑ کی بیویوں پر عذاب آیا۔ مرسل اعظمؐ کے گھر میں رہنے والی دو خاتونوں کے لیے خدا نے کہا کہ تمھارے دل ٹیڑھے ہیں تمہارا انداز فکر اور تمہارا پیمانہ آرزو گمراہ ہے اللہ نے ان کرداروں کو اسی لئے بے نقاب کیا کہ نبیؐ کے گھر میں جگہ پانے کے باوجود بھی کوئی ڈھیل نہیں ہے۔ خدا نے منافقین کے لیے اپنے محبوب نبیؐ سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہہ کر کہ چاہے تم دعائے مغفرت کرو یا نہ کرو۔ خدا معاف کرنے والا نہیں ہے۔ ہم کو یہی بات سمجھائی ہے کہ اصول شریعت سے منحرف۔ احکام الٰہی کے مقابلہ پر من مانی کرنے والی ہر شخصیت کا ٹھکانہ دوزخ میں ہے اس لیے ہے کہ مذہب میں کوئی ڈھیل نہیں ہے۔

خود حضورؐ نے منبر سے زندگی کی آخری تقریر کرتے ہوئے جب کہا کہ میری عمر آخر ہے۔ تم میں سے جو شخص کوئی حاجت رکھتا ہو بیان کرے تاکہ میں اس کے لیے دعا کروں تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں منافق ہوں میرے لیے ایمان کی دعا فرمائیں۔ حضرت کی دعا سے قبل ایک عظیم تاریخی و حکومتی شخصیت نے اس شخص کی یہ کہہ کر مذمت کی کہ تو نے اپنے منافق ہونے کا اعلان کر کے اپنے کو ذلیل کر لیا۔ مگر حضور نے اسی سکنڈ اس شخصیت کی بدترین و سخت ترین مذمت کی کہ اس نے اپنے کو آخرت کی رسوائی سے بچانے

کے لئے اپنا حال بیان کر کے مجھ سے دعا چاہی اور تم نے آخرت بھلا دی۔ تم کو صرف دنیا کی عزت و ذلت کا خیال رہا اور بس لہٰذا یہ شخص قابل تعریف ہے۔ میں اس کے لیے دعا کرتا ہوں۔ البتہ تم روح اسلام سے بے خبر ہو اور آخرت کی رسوائی کو بھول گئے ہو۔ تم کو صرف دنیا ہی یاد ہے تم قابل مذمت ہو اور یہ شخص قابل تعریف ہے۔ اس نے وہ کہا ہے کہ جس کے ہم خواہشمند ہیں۔ جو ہمارے مشن کے عین مطابق ہے۔ شخصیت کو چھٹکارا کر دینے والی رسولؐ کی اس تقریر اور دعائے ایمان نے ہر طرح یہ بات سمجھا دی کہ ڈھیل تباہی کی جھیل ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے ملاقاتیوں کے لئے چراغ گل کر کے اس گمراہ خیال کو ہمیشہ کے لئے گل کر دیا کہ اسلام میں ڈھیل ہو سکتی ہے۔ چراغ میں تیل بیت المال کا تھا لہٰذا صرف اتنی دیر جلا جتنی دیر حضرتؑ نے بیت المال کا حساب لکھا۔ حالات کے دباؤ میں آکر اصول و اخلاق احکام شریعت میں ڈھیل ڈالنے والے۔ چشم پوشی کرنے والے مصلحت کا لحاظ کرنے والے سب ایک طرف سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو مشورہ دے رہے تھے کہ ظالم گورنروں کو نہ ہٹائیں ورنہ حکومت ہل جائے گی۔ مگر آپ نے اپنے اعلان کے مطابق ہر ظالم گورنر کو ہٹا دیا کیونکہ آپ نے اپنی حکومت کے پہلے دن کہا تھا کہ میں اس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک ظالم کو اتنا کمزور نہ کر دوں کہ وہ حق دیدے اور مظلوم کو اتنا طاقتور نہ کر دوں کہ وہ ہر ظالم سے اپنا حق لیلے۔ علیؑ کا یہی انصاف اس عہد کے مسلمان برداشت نہ کر سکے۔ آپ نے اپنی بات پر جان دیدی مگر غلط بات نہ مانی۔ علیؑ کی شہادت کا سبب ان کا عدل تھا۔ جب کہ عموماً لوگ اپنے ظلم کی وجہ

سے قتل ہوتے ہیں۔ مولا علیؑ کی پوری زندگی۔ پوری تعلیم۔ پوری کوشش ساری محنت کا ماحصل یہی ہے کہ مذہب ہیں۔ احکام شریعت میں کوئی ڈھیل نہیں ہے۔ کیونکہ ڈھیل تباہی کی جھیل ہے اور اسلام انسانوں کو تباہی کی جھیل سے نکالنے آیا ہے۔ امامت کے مشن کی جب عہد ظہور میں تکمیل ہوگی تو سب سے پہلے وہ لوگ قتل ہوں گے جو علماء کے بھیس میں گمراہی کے مبلغ ہوں گے اور آخر میں ہر دین سے جاہل اور شریعت سے غافل شخص قتل ہو جائے گا ڈھیل کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور شریعت اسلامیہ کا کامل مکمل نفاذ ہو جائے گا۔

سال کے بارہ مہینوں میں رمضان کا مہینہ ممتاز مہینہ ہے یہ رحمت کا مہینہ ہے اگر انسان دین کی پابندی کرے رمضان بھر روزہ رکھے۔ ورنہ یہ مہینہ عذاب کا مہینہ ہے۔ ہمارے معاشرہ کے اکثر افراد اس مہینہ میں اپنی تباہی کی جھیل اور زیادہ گہری کر لیتے ہیں۔ بے روزہ چوتھے دن واجب القتل ہے اور اس کی تباہی کی پہلی جھیل قبر ہے۔ دوسری جھیل برزخ ہے تیسری جھیل محشر ہے اور اس کی منزلیں ہیں اور آخری جھیل آگ کی جھیل ہے جہاں کا پانی بھی آگ ہوگا۔ رحمت کا مہینہ آگیا ہے عذاب سے بچو اور رحمتیں حاصل کرو۔ کسی بے روزہ دار کو کھانا۔ پانی ناشتہ کچھ نہ دو چاہے شوہر ہو یا باپ بھائی ہوں مہمان ہو یا گھر کا آدمی ہو۔ میکہ کا ہو یا سسرالی۔ اسے بھی دوزخ سے بچاؤ اور خود بھی آگ سے بچو۔

زیادہ نہ ہنسئے ورنہ روئیے گا

آدمی مٹی سے بنا ہے ۔ مٹی زمین سے اٹھائی گئی ہے ۔ بلندی سے بھی اٹھائی گئی اور پستی سے بھی پہلے ہر طرح کی مٹی لی گئی پھر سب کو ملا کر آدمی بنا ۔ آدمی کے پیکر کو ربانی روح سے منوّر کیا گیا ۔ جب آدمی کی نسل چلی تو خاکی آدمی کے خون میں اپنی جنّیہ ماں کا آتشی لہو بھی شامل ہوا ۔ اور حوریہ کی اولاد میں ماں کے جنتی دودھ کی نہر بھی جاری ہوئی ۔ آگے چل کر جنّیہ اور حوریہ کی اولادیں مخلوط ہو گئیں ۔ شیطان بھی اپنا زہر انسانی رگوں میں گھولتا رہا حرام کاری کے ذریعہ زندگی کے پاکیزہ دریاؤں میں گندے نالے بھی گرتے رہے جو آگے چل کر دریا میں شامل ہو گئے مگر ان کی گندگیاں بھی شامل رہیں خارج نہ ہو سکیں اس لئے آج ہم انسانوں کو اتنی طرح کا اتنی قسم کا دیکھتے ہیں کہ انسان کی قسموں کا شمار ناممکن ہے بلکہ ایک آدمی اپنی زندگی میں کتنی قسم کا نکلے گا اس کا احاطہ بھی ممکن نہیں ہے ۔ کبھی بلندی کی مٹی اپنا عروج دکھاتی ہے کبھی پستی کی مٹی اپنی گراوٹ کا مظاہرہ کرتی ہے ۔ کبھی ربانی روح زندگی کو ایسی روشنی ایسی خوشبو ایسا رنگ ۔ ایسا نکھار دیتی ہے کہ بس دیکھا کیجئے ۔ ایسوں کو دیکھتے ہی روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے ۔ ان کو دیکھتے ہی آدمیت میں وہ بال و پر نکل آتے ہیں کہ رضائے رب کی طرف

پرواز شروع ہو جاتی ہے۔ ایسی زندگیوں کو دیکھنا بھی ثواب ان کے پاس بیٹھا رہنا بھی عبادت۔ ان سے قربت بھی شرف۔ قرابت بھی عزت۔ ان سے وابستگی سعادت ان سے دوری شقاوت و بدنصیبی مگر دنیا کے اس عجائب گھر میں صرف روحانی زندگی کے مجسمے نہیں ہیں بلکہ وہ آتشی اور آگ بگولہ انسان بھی ہیں جن کو دیکھ کر جن بھی سوچتے ہیں کہ یہ قلمی جن تخمی جن سے بھی گرم تر نکلا۔ آتش مزاج انسانوں کے درمیان وہ حور صفت زندگیاں بھی ہیں جو نہ گرم ہوتی ہیں نہ گرم ہونے دیتی ہیں ان کا حلم غصہ پر غالب۔ ان کا معاف کر دینے کا جذبہ خطاؤں پر غالب ان کا وقار مضمحل نہیں ہوتا۔ ان کو کوئی چڑچڑا بنانے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ حالات کا دریا کتنا ہی کیوں نہ اتر جائے مگر یہ بلند مرتبہ افراد اپنی بلندیوں سے نیچے نہیں اترتے۔ وقار انسانی کی ان سربلند چوٹیوں کے نیچے شیطانی کارناموں کے وہ اندھے غار بھی ہیں جس میں ایک سے ایک زہریلا انسان پایا جاتا ہے جو ایک دوسرے کو ڈس رہے ہیں۔ ڈنک مار رہے ہیں۔ ان غاروں کے نیچے خود غرض تجارت۔ ظالم حکومت۔ فریب کار سیاست۔ نفع خور صنعت کے وہ پرخطر جنگل بھی ہیں جہاں درندہ صفت انسان ایک دوسرے کو بھبھوڑ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کا لہو پی رہے ہیں ——————— گوشت نوچ رہے ہیں ہڈیاں چبا رہے ہیں کبھی چھوٹے بڑوں کا شکار ہوتے ہیں کبھی لومڑیاں، ہاتھی اور شیر کو گڑھے میں گرا لیتی ہیں۔ ان جنگلوں کے آگے وہ انسان بھی آباد ہیں جن کو زندگی میں حشرات الارض کا درجہ دیا گیا ہے وہ خود بھی اپنے بلوں سے باہر آنے پر تیار نہیں ہیں۔ ان کو اگر سمجھاؤ

کہ تم بھی عظیم انسان بن سکتے ہو تو اپنے سمجھانے والوں کو سمجھاتے ہیں کہ ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دیجئے۔ بھیا کی بات ورنہ ہم کہاں اور باعزت زندگی کہاں۔ ان کو کوئی بتائے کیا۔

انسان کی پیدائش سے لے کر آج تک کی انسانی زندگی کے یہ مختلف روپ تھے جن کا خلاصہ پیش کیا گیا۔ لہٰذا ایسے انسانوں کے درمیان رہنے والے انسان کسی حال پر بھروسہ نہ کر۔ ہر حال ماضی بن جائے گا کسی مستقبل کے لئے بدحال نہ ہو ہر مستقبل کسی نہ کسی دن کسی نہ کسی حال کی صورت میں تیرے پاس آئے گا اور پھر تجھے چھوڑ کر تیرے ماضی سے جا ملے گا۔ کون دوست کب دشمن ہو جائے گا کون دشمن کل دوست ہو جائے گا کوئی قریب بعید بھاگے گا۔ کون اقرب عقرب بن جائے گا۔ کون معتمد دھوکا دے گا۔ کون مخدوش کب مضبوط سہارا بن جائے۔ صحت کب بیماری میں تبدیل ہو جائے گی۔ درد کب مسکراہٹوں کے لبوں پر دم توڑ دیں گے۔ مال کب ہاتھ ملنے پر مجبور کر دے گا۔ کون سے خالی ہاتھ کب مالا مال ہو جائیں گے کون گمنام آسمان شہرت کا سورج بن جائے گا اور کس کا سورج کب غروب ہو جائے گا۔ کسی کو کسی کا حال کچھ نہیں معلوم۔ اور دوسرے کا حال کیا معلوم ہو گا جب اپنا ہی حال نہیں معلوم۔

لہٰذا زندگی کو ہمیشہ حدوں کے اندر رکھنا ضروری ہے حکیم اسلام امیر کائنات مولائے متقیان نے فرمایا کہ کبھی کسی کو اتنا راز دار نہ بناؤ کہ اگر کبھی وہ دشمن ہو جائے تو تمہارے راز اس کے قبضہ میں ہوں اور تم اس کے ہاتھوں میں بے بس ہو جاؤ۔ اور وہ تم سے منہ مانگی قیمت وصول کرتا رہے۔ اسی طرح کسی سے اتنا نہ لڑو کہ جب حالات ایک دوسرے کو باہم دوست

بنا دیں تو لڑائی کی خلیج پائی نہ جا سکی ایک دوسرے کو لگائے ہوئے چرکے مندمل نہ ہو سکیں۔

مولیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہی ہے کہ اعتدال کا دامن کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ اکثر لوگ حالات پر کبھی اتنے خوش ہو جاتے ہیں کہ بعد میں ان سے روئے نہیں رویا جاتا۔ کوئی کبھی کسی کی دوستی یا کسی کی قربت یا کسی کی رشتہ داری یا کسی کی خاطر داری پر اتنا خوش ہو جاتا ہے کہ بعد میں آٹھ آٹھ آنسو روتا ہے۔

خداوند عالم سب کو خوشیاں نصیب کرے اور برے دنوں سے محفوظ رکھے مگر ہمارا بھی فرض ہے کہ کبھی حالات میں اتنے مگن نہ ہو جائیں کہ خدا۔ آخرت۔ مذہب۔ والدین۔ اعزا۔ صاحبان حقوق۔ مومنین۔ غربا۔ حاجت مند سب فراموش ہو جائیں اور جب حالات کی زمین پیروں کے نیچے سے کھسک جائے تو ہم نہ دین کے رہیں نہ دنیا کے نہ اپنے پناہ دیں نہ غیر۔ زندگی کی ٹھوکروں کے ساتھ ہر شخص بطور صدائے بازگشت اپنی ٹھوکر لگانا فراموش نہ کرے۔ اس دن سے بچنا ہے تو آج سوچ کر چلو۔

ان سے بچئے

سنا ہے کہ بلّی کبھی فوراً جھپٹ کر چوہے پر حملہ نہیں کرتی بلکہ پہلے چوہے سے کھیلتی ہے اور جب چوہا کھیل کے مزے میں آکر موت کو بھول جاتا ہے تو بلّی چونکہ بہر حال بلّی ہے لہذا جھپٹتی ہے اور چوہے کو کھا جاتی ہے۔ یعنی بلی کھائے گی۔ چوہا کھایا جائے گا۔ بلّی کو اپنا بلی ہونا یاد رہتا ہے۔ البتہ چوہا اپنا چوہا ہونا کبھی کبھی بھول جاتا ہے اور جب بھول جاتا ہے تب ضرور کھایا جاتا ہے کوئی اسے بچا نہیں سکتا۔ اس کے بچنے کی صورت یہی ہے کہ اپنے بل کے اندر رہے۔ بل میں بلّی نہیں جاسکتی یہ بلّی کی مجبوری ہے۔ چوہے کو اپنے تحفظ کے لئے بلّی کی اس مجبوری کو اور بل سے باہر رہنے کی صورت میں اپنی کمزوری کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔

بلّی اور چوہے والا کھیل ہم انسانوں میں بھی روز کھیلا جاتا ہے۔ ملا۔ عامل۔ پیر صاحب۔ لیڈر۔ نیتا۔ سیاستداں۔ شاعر۔ مقرر۔ صاحبان قلم۔ دانشور۔ صاحبان فکر و سخن اور اپنی باتوں سے متاثر کرنے والے حضرات۔ عوام سے بلّی چوہے والا کھیل کھیلتے ہیں۔ عوام بیچارے مارے جاتے ہیں مگر ان کو احساس نہیں ہوتا۔ بلّی شیر کی خالہ کہی جاتی ہے یہ حضرات شیر کے خالو ہیں۔ آپ بھی اگر دین کے خانہ کے باہر نہ نکلیں گے

تو یقیناً محفوظ رہیں گے۔

ملا۔ عامل۔ پیر کے پاس وہ لوگ لٹنے جاتے ہیں جو مشکلوں میں گھرے ہوتے ہیں۔ کسی مایوسی کا شکار ہوتے ہیں کسی تمنا کے اسیر ہوتے ہیں اور ان کو تائید غیبی کی ضرورت ہوتی ہے لہذا جہاں تائید غیبی کی دوکانیں ملتی ہیں وہاں جاتے ہیں خود لٹتے ہیں اور دوسروں کو لٹانے لے جاتے ہیں کچھ کی فقط دولت لٹتی ہے اور کچھ کی عزت بھی لٹ جاتی ہے۔

حالانکہ قرآن مجید میں کھلی دعوت موجود ہے کہ اگر مشکلوں میں گھرے ہو۔ تائید غیبی کے خواہشمند ہو تو اس سے مانگو جو قادر مطلق ہے ان کے ذریعہ مانگو جن کو تائید غیبی کا مرکز خدا نے بنایا ہے اور اپنی مانگ کو قابل قبول بنانے کے لئے صبر کو (روزہ۔ ترک گناہ۔ خواہشات بے جا سے کنارہ کشی کو) اور نماز کو اپنا ساتھی بناؤ۔ اور توبہ استغفار کے ذریعہ قبولیت دعا کی رکاوٹوں کو ہٹاؤ مگر جن کو لٹنا ہے وہ ادھر کا رخ نہیں کرتے۔ ورنہ روتے ہوئے جاتے اور ہنستے ہوئے آتے ان کے مقدر میں تو یہی لکھا ہے کہ روتے ہوئے جائیں اور روتے ہوئے آئیں اور پھر زندگی بھر روتے ہیں۔ آخرت میں تو ہر دین کے قانون شکن کو بہر حال رونا ہے۔

نیتا۔ لیڈر اور سیاستدانوں کے پاس وہ لوگ لٹنے جاتے ہیں جن کو ملازمت پرمٹ۔ لائسنس۔ سفارش۔ الکشن کا ٹکٹ۔ وزارت۔ سفارت۔ کمیٹیوں کی ممبری اور صدارت۔ بیرون ملک کی سیاحت و تجارت کی خواہش یا ضرورت ہوتی ہے۔ یہ لوگ تحفے لے جاتے ہیں اور فرمائشیں لے آتے ہیں۔ سواریاں فراہم کرتے ہیں۔ رقمیں فراہم کرتے ہیں سامان

فراہم کرتے ہیں اور ہمیشہ حاضر رہتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ کام کرانا
ہے تو سر پر سوار رہو حالانکہ لیڈر اپنے موکل پر ہمیشہ سوار رہتا ہے
یہاں تک کہ سواری دیتے دیتے یا سواری کا جانور مر جاتا ہے یا بھاگ
نکلتا ہے مگر لیڈر اس کے پیچھے نہیں بھاگتا اس کو دوسرا جانور مل جاتا
ہے البتہ اگر کبھی بھاگا جانور دوبارہ مل گیا تو لیڈر فوراً چابک رسید کرتا
ہے کہ جب کام ہونے کا وقت آیا تو آپ غائب ہو گئے ہمیں شرمندگی اٹھانی
پڑی۔ لیڈر کی اس چابکدستی سے پہلا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ موکل شکایت
نہیں کر پاتا بلکہ شاید ان سے پھر کام پڑے کے خیال سے اس طرح
کھیسیں نکال دیتا ہے جس طرح گھوڑا لگام پہننے کے لئے منہ کھول دیتا
ہے پھر وہی ہوتا ہے کہ گھوڑا گاڑی میں جوت دیا جاتا ہے۔

خدا کا اعلان ہے کہ ناجائز باتوں کی دعا نہ مانگو ہم ایسی دعائیں
قبول نہیں کریں گے۔ دعا مانگو مگر اس یقین کے پیش نظر مانگو کہ جو دعا تمہارے
لئے مضر ہوگی اس کو ہم نہ پورا کریں گے بلکہ اس کے بجائے وہ عطا کریں
گے جو ہماری نظر میں تمہارے لئے مفید ہوگا۔ یعنی خدا کے یہاں کمال
قدرت کے باوجود انکار اور نہیں کا لفظ موجود ہے مگر نیتا لیڈر اور سیاستدان
کے یہاں کسی کام کے لئے نہیں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ جب کام کرنا ہی نہیں
ہے تو نہیں کہنے کی کیا ضرورت ہے البتہ آسان سے آسان کام کو بھی
مشکل ضرور بتا دیا جاتا ہے تاکہ بغیر کہے فیس بڑھ جائے۔ جھوٹ بولنا۔
دھوکا دینا۔ دھوکہ میں رکھنا اور ہر حال میں اپنا الو سیدھا رکھنا اسی
کا نام عہد حاضر میں سیاست ہے۔ عہد حاضر تو بیچارہ بدنام ہے ورنہ
عہد قدیم میں بھی سیاست اسی کا نام تھا۔ سیاست کا مزاج ہر حال میں

رہتا ہے چاہے اقتدار میں رہے یا اپوزیشن میں رہے ۔ سیاست سے متعلق افراد کی بھی قسمیں ہیں اونچے کھلاڑی پالیسی ساز کہلاتے ہیں ان سے نیچے لیڈر کہلاتے ہیں سب سے گھٹیا قسم نیتا کہلاتی ہے ۔ سیاستدان موکلوں پر سوار رہتے ہی ہیں لیکن کبھی کبھی ایک دوسرے پر بھی سواری گانٹھ لیتے ہیں چھوٹے نیتا اکثر اپنی چھوٹی چھوٹی غرضوں کے لئے بڑے لیڈروں کو سواری دیا کرتے ہیں لیکن کبھی کبھی بڑے لیڈر چھوٹے لیڈروں کے ہاتھوں میں اپنی ضرورتوں کو پھنسا دیکھ کر ان کو اپنے اوپر سوار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ۔ برسات میں ایک کیڑا نکلتا ہے جسے بچے لِلّی گھوڑی کہتے ہیں جس میں ایک کیڑا دوسرے کیڑے پر پورے طور پر سوار رہتا ہے ۔ شکل ۔ قد ۔ رنگ ۔ لمبائی میں دونوں ایک جیسے ہوتے ہیں ۔ انسانوں میں لِلّی گھوڑی کے کردار والے موجود ہیں ۔

پیر ۔ ملا ۔ عامل آپ سے فیس لے کر مکر و حیلہ سے سامان حاصل کر کے اپنی زندگی کی گاڑی گھسیٹتے ہیں وہ آپ کی مشکل کیا حل کریں گے ۔ البتہ صدقہ تقویٰ ۔ نماز ۔ روزہ کے ذریعہ خدا سے دعا مانگئے معصومین علیہم السلام کی بتائی ہوئی دعائیں پڑھئے ۔ مشکلیں حل ہوں گی اگر اب بھی نہ حل ہوں تو حالات پر راضی رہئے تاکہ مرضی رب پر راضی رہنے کا ثواب ملے اور بندہ کی روش دیکھ کر خدا رحمتوں کی بارش کرے ۔ لیڈر ۔ نیتا کے چکر سے نکلنے کے لئے خواہشات میں کمی پیدا کیجئے دنیا سے زیادہ آخرت حاصل کرنے کا مزاج پیدا کیجئے ۔ دنیاوی کاموں کے حصول کے لئے مومنین کی حاجت روائی کیجئے خدا آپ کی مشکل کشائی کرے گا ۔ جن کے پاس آپ جاتے ہیں ان کو آپ کے پاس بھیجے گا ۔ دنیا کے پیچھے دوڑیئے گا تو دنیا اور دوڑائے گی اس سے دور بھاگئے گا تو وہ آپ کے پیچھے بھاگتی ہوئی آئے گی جناب امیر علیہ السلام کا قول یاد رکھئے اگر کار خیر میں خرچ نہ کرو گے تو برے کاموں میں اپنی دولت برباد کرو گے ۔

ان سے بچیے ۱۱

پہلی قسط میں آپ ملا اور نیتا کا حال پڑھ چکے ہیں۔ دوسری قسط میں آپ کی ملاقات ان لوگوں سے کرانا ہے جو آپ کے دوست ہیں مگر آپ کو ان سے بچنا ہے۔ کچھ اپنے کو آپ کا دوست ظاہر کرتے ہیں مگر دوست نہیں ہیں۔ ان کو اگر آپ پہچانتے ہیں تو کسی کے متوجہ کئے بغیر آپ ان سے خود ہی بچیں گے۔ بچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ان سے ملیں گے نہیں دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان کے کہنے پر عمل نہیں کریں گے مگر ایسے لوگوں کو پہچاننا آپ کا کام ہے۔ یہ مضمون ان سے بچنے کے لئے نہیں لکھا جا رہا ہے بلکہ ان دوستوں سے بچنے کے لئے لکھا جا رہا ہے جو آپ کے دل پسند دوست ہیں۔ جن کی جدائی میں آپ بے چینی محسوس کرتے ہیں۔ جن کی ملاقات کے لئے آپ بے چین رہتے ہیں۔ جن کی ملاقات کے بعد آپ نہ صرف غموں کو بھول جاتے ہیں بلکہ اپنی ضرورتوں کو بھی بھول جاتے ہیں۔ جن کے ساتھ رہنے میں آپ ایسا لطف۔ ایسا مزہ۔ ایسی آسودگی اور فرحت محسوس کرتے ہیں کہ ان کے پاس سے اٹھنے کو دل نہیں چاہتا مگر ان سے بچنا ضروری ہے کیونکہ وہ آپ کی دنیا کے بہترین دوست ہیں۔ واقعی دوست ہیں۔ دوستی میں جھوٹے یا مکار نہیں ہیں۔ آپ کے نفع اور نقصان کا خیال رکھتے ہیں مگر چونکہ خود بے دین ہیں لہذا ان کی دوستی آپ کو بھی

بے دین بنادے گی ۔ لہذا اگر آپ کو دیندار رہنا ہے تو ان سے آپ کو بچنا پڑے گا ۔

بے دین کئی طرح کے ہوتے ہیں کچھ وہ ہیں جو دین کو اہمیت نہیں دیتے ہیں لہذا بے دین ہیں ۔ کچھ وہ ہیں جن کو دین معلوم نہیں ہے لہذا بے دین ہیں ۔ کچھ دین سے نفرت کرتے ہیں ۔ دین کا ذکر سنتے ہی برہم ہو جاتے ہیں خود دین کا ذکر بُرے الفاظ میں کرتے ہیں ۔ یہ صرف بے دین نہیں ہیں بلکہ دین دشمن ہیں ۔ کچھ کے خیال میں دین جہالت کے دور کی نشانی ہے ۔ اور جاہلیت کی پیداوار ہے لہذا اس کا ذکر صرف مضحکہ خیز انداز میں کرتے ہیں ——— غرضکہ بے دین حضرات کی بہت سی قسمیں ہیں ۔ دوستی اثرات کو منتقل کرنے کا ایک بہت مضبوط ذریعہ ہے ۔ لہذا بے دین دوست کی بے دینی آپ کو متاثر نہ کر سکے اس کی ایک ہی صورت ہے کہ آپ اپنے ایسے دوستوں سے بچیں ۔

منکرِ دین کے ساتھ کھانا پینا ۔ نکاح وغیرہ حرام کرنے کے اسباب کا علم خدا ۔ رسولؐ امامؑ کے پاس ہے لیکن مسلم معاشرہ غیر اسلامی خیالات سے متاثر نہ ہونے پائے یہ ایک ایسا سبب ہے جو ہماری سمجھ میں بھی آتا ہے ۔ کیونکہ ایسے مسلمانوں کی دوستی سے منع کیا گیا ہے جو فاسق ہیں یعنی پابند دین نہیں ہیں ۔ فاسق مسلمان کی دوستی کی ممانعت کی وجہ اس کی بے دین زندگی ہے اس سے دوستی نہ کرنے کے دہرے فائدے ہیں ۔ دوستی نہ کرنے والا اس کی فاسقانہ زندگی سے متاثر نہ ہو گا اور اگر مسلم سوسائٹی

اس کی طرف دوستی کا ہاتھ نہ بڑھائے گی تو اسے بھی اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا۔ دینی احکام میں ایک حکم یہ بھی ہے کہ۔ بے حیا غیر اسلامی کردار رکھنے والی عورتوں سے بھی مسلمان عورتیں پردہ کریں تا کہ مسلم سوسائٹی غیر اسلامی اثرات سے محفوظ رہے۔ اس جگہ سے ہجرت واجب ہے جہاں مسلمان اپنے دین پر عمل کرنے میں زحمت محسوس کرتا ہو۔ جو شخص جواب دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے اس کو گمراہ کن لٹریچر پڑھنا حرام ہے۔ اس کا خریدنا صرف اس شخص کے لئے جائز ہے جو اس کا جواب دینا چاہتا ہو۔

ان احکام کا یہ مقصد بہر حال واضح ہے کہ دینی ماحول کو بے دین ماحول سے الگ رکھنا ہے۔ دینی ذہن کو بے دینی کے مرض سے محفوظ رکھنا ہے۔ اور دیندار افراد کو دیندار معاشرہ کے ذریعہ دیندار رہنے میں مدد دینا ہے۔ تعلیم۔ صحت۔ سیاسی نظریات وغیرہ میں اسی اصول پر عمل ہوتا ہے کہ جہالت امراض۔ مخالف نظریات سے طلاب کو نوجوانوں کو پارٹی کے ممبروں کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ دین بھی اسی اصول پر اپنے ماننے والے کی حفاظت کرنا چاہتا ہے۔

لیکن آج کل بے دین ماحول سے پرہیز در کنار ہم خود اپنے کو۔ اپنے بچوں کو۔ ان کے کچے دماغوں کو اس طرح غیر دینی ماحول میں ضم ہونے کے مواقع فراہم کرتے ہیں کہ بے دین افکار و اعمال اس طرح ہم میں جذب ہو جاتے ہیں کہ زندگی کو پابند دین رکھنا نا ممکن ہو جاتا ہے کیونکہ نوجوانوں کے دل و دماغ نہ صرف اسلامی عقائد و افکار سے نا واقف ہوتے ہیں بلکہ اسلامی عقائد و افکار و اعمال پر مسلمان معترض نظر آتا ہے۔ اسلامی

ذخیرہ خیالات کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے ۔ اور غیر دینی خیالات کو بہتر سمجھنے کی بیماری میں گرفتار نظر آتا ہے لہذا آپ کا فرض ہے کہ اپنے کو اپنے افراد خاندان کو بے دین دوستوں سے بے دین ماحول سے الگ رکھیں اور تعلقات کی بنیاد دینداری پر رکھیں ۔ اسی بنیاد پر خاندان کی نگرانی کریں ۔

ورنہ بچوں کی گمراہی کی جواب دہی والدین کو خدا کے سامنے کرنا پڑے گی اور بے دین اولاد بڑھاپے میں سہارا بننے کے بجائے بوڑھے والدین کو کسمپرسی کے غار میں ڈھکیل دے گی اور اگر خدا نخواستہ دیوانی جوانی کو بے دینی کا سہارا مل گیا تو آپ کو آپ کی غلطی زندگی بھر آٹھ آٹھ آنسو رلاتی رہے گی ۔

قرآن مجید نے اسی لئے حکم دیا ہے کہ نیکی اور دینداری کو بنیاد تعلقات بناؤ ۔ گناہ و سرکشی میں کسی کے ساتھی اور دوست نہ بنو ۔

اِن سے کچھ نہ کہیئے!

چٹاچٹ بچے نے باپ کے منہ پر طمانچہ مارے ۔ ۲ سالہ صاحبزادے کی مار کھا کر باپ خوش ہوئے ۔ ہم نے کہا کہ ابھی سے اس کی عادت پڑ جائے گی تو آئندہ کھلے گی ۔ باپ نے فرمایا ۔ عادت پڑے گی کیا پڑ چکی ہے سات بہنوں پر ہوا ہے ۔ سب کا لاڈلا ہے ۔ سب محبت میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے منہ پر مارتی تھیں ۔ اب ماشاءاللہ یہ خود ہی مارنے لگے ہیں مگر بچہ ہے ۔ بڑا ہو کر سمجھدار ہو جائے گا ۔ مگر لاڈلے مار تو خاں بنتے گئے محلہ میں لڑائی کے لئے مشہور ہو گئے اور ساری عمر لڑاکو رہے ۔ خاندان میں جھگڑے کئے ۔ اداروں کو اختلاف کے ذریعہ توڑ ڈالا ۔ رشتے ختم کرتے ہوئے ختم ہوئے ان کے مرنے پر عموماً لوگ خوش تھے ۔ بڑا موذی مرا ۔ چلو کچھ سکون ملے گا یہ ساری تباہی اس غلطی سے پیدا ہوئی کہ بچپنے میں ان کو مارنے کا شوقین بنایا گیا اور جس نے روکنا چاہا کہہ دیا گیا ۔ ابھی بچہ ہے ۔ اس سے کچھ نہ کہئے ۔ کاش آج ماں باپ زندہ ہوتے اور ان کے لاڈلے کے مرنے پر جب لوگ خوش ہو رہے تھے تو کم از کم وہی ان کی موت پر اور اپنی غلط تربیت پر رو لیتے ۔ عینک کے شیشہ پر اگر معمولی سا نشان بھی پڑ جائے تو عینک خراب ہو جاتی ہے ۔ اس عینک کے استعمال سے رفتہ رفتہ وہی نشان آنکھ میں بھی بن جاتا ہے

لہٰذا محتاط لوگ ہمیشہ عینک کو نرم اور صاف کپڑے سے احتیاط سے صاف کرتے ہیں اور شیشہ کے بھل عینک نہیں رکھتے ہیں ۔ بچہ کی تربیت بھی بڑی نازک چیز ہے ۔ اگر غلط محبت یا بے جا سختی یا ڈھیل نے اس کے دل و دماغ کے شیشہ پر معمولی سا نشان بھی پیدا کر دیا تو یہ نشان زندگی کے کسی نہ کسی پہلو کو نابینا بنا دے گا ۔ ہم عینک کو ناسمجھ آدمی سے صاف کروانا درکنار اٹھواتے بھی نہیں ہیں لیکن بچہ کو ہر کسی سے عادتیں سیکھنے کا موقع دیدیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ بچہ اپنی پوری زندگی بچپن کی عینک سے دیکھے گا بچہ کو کچھ نہ کہئے ۔ اکلوتا ہے کچھ نہ کہئے ۔ ضدی ہے کچھ نہ کہئے ۔ والدین برا مان جائیں گے کچھ نہ کہئے ۔ ہمیں کیا جو کچھ کہیں جس کا بچہ ہے وہ کچھ نہیں کہتے وغیرہ فقرے اگرچہ سماج میں رائج ہیں مگر غلط ہیں ۔ ان فقروں سے غیریت کی بو آتی ہے ۔ لہٰذا مودبانہ گذارش ہے کہ 'کچھ نہ کہئے ، نہ کہئے بلکہ غلطی پر ٹوکئے ۔

لڑکوں نے خونچے والے کا مال لوٹ کر کھا لیا ۔ ایک نے دوسرے کا پن چرا لیا ۔ بغیر ٹکٹ چلے چلتے رہے ۔ گاڑی میں جب چلے تو گاڑی نہ چل سکی ۔ مسافروں کی پٹائی کر دی اسٹاف سے جھگڑا کر لیا ۔ پولیس سے ٹکر ہو گئی ۔ اسکولوں کالجوں میں اسٹرائک ہو گئی ۔ امتحان ڈیڑھ ڈیڑھ سال پر ہوئے ۔ ماں باپ کو دس سال کی تعلیم کا خرچ ۱۵ سال ۔ برداشت کرنا پڑا ۔ کچھ لڑکوں کی عمر نوکری سے آگے نکل گئی کچھ تعلیم چھوڑ بیٹھے ۔ کچھ نے کالج میں گنڈہ گردی سیکھ لی ۔ کچھ خاندان ہمیشہ کے لئے تباہ ہو گئے کبھی سوچا یہ سب کیوں ہوا ۔ صرف اس لئے ہوا کہ یہ اسٹوڈنٹ ہیں ۔ لڑکے ہیں ۔ ان کو کچھ نہ کہئے ۔

گاڑی چلتے ہی ۲۰ سال سے لے کر ۵۸ سال تک کے تعلیم یافتہ۔ ملازمت پیشہ۔ بھائی بہن۔ لڑکی۔ لڑکے۔ پوتی۔ نواسی والے ڈیلی پسنجر ڈبہ میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ اوپر نیچے سب جگہ یہی بیٹھے لیٹے لٹکے نظر آرہے ہیں۔ کچھ تاش کھیل رہے ہیں۔ کچھ ہار جیت میں لگے ہیں کچھ گا رہے ہیں۔ کچھ ناچ رہے ہیں۔ کچھ ڈائی لاگ بول رہے ہیں۔ کچھ گالیوں سے شوق فرمارہے ہیں کچھ جنسی عمل کی نقالی کر رہے ہیں۔ عورتوں۔ لڑکیوں کو دیکھ کر بالکل ننگے ہو گئے ہیں صرف جسم پر لباس باقی ہے۔ باقی کچھ باقی نہیں۔ غریب مسافر دبکے بیٹھے ہیں اگر کسی ناواقف مسافر نے ریزرویشن کے حقوق کا مطالبہ کیا تو گالی۔ گھونسہ۔ لات۔ دھونس سے ان کا علاج کیا گیا۔ سامان غیر محفوظ۔ عزت غیر محفوظ۔ ۲-۲ گھنٹہ اس عذاب میں مسافر مع عورتوں لڑکیوں میں گرفتار۔ مگر کیوں۔ اس لئے کہ ان کی مجارٹی ہے ان سے کچھ نہ کہئے۔ اور جب یہی ڈیلی پسنجر دودھ والوں کے ڈبہ میں پھنس گئے تو دودھ والوں نے ان کو خوب دوھا مگر یہ چپ رہے۔ کیوں۔ یہ دیہاتی ہیں ان سے کچھ نہ کہئے ورنہ ڈنڈے سے کم تو یہ بات ہی نہیں کرتے۔ بلکہ پہلے مارتے ہیں پھر بات کرتے ہیں۔

ان سے کچھ نہ کہئے۔ کے غلط رواج نے ہر طرف تباہی مچا رکھی ہے۔ محلہ کے گنڈے سے کچھ نہ کہئے۔ نیتا سے کچھ نہ کہئے۔ بڑے آدمی ہیں کچھ نہ کہئے۔ پولیس کے مخبر ہیں کچھ نہ کہئے۔ انجمن کے سکریٹری ہیں کچھ نہ کہئے۔ وقف کے متولی ہیں کچھ نہ کہئے۔ مولیٰ کے مانتدار ہیں کچھ نہ کہئے۔ ذاکر حسینؑ ہیں کچھ نہ کہئے۔ جناب ہیں کچھ نہ کہئے خاندانی آدمی ہیں کچھ نہ کہئے۔

جبکہ گنڈہ لڑکیوں کو چھیڑتا ہے۔ نیتا محلہ بھر کے ناک میں دم کئے ہے
بڑے آدمی غریب بیوہ کے گھر پھاندے تھے اگر وہ چھت پر سے نہ کود جاتی
تو اس کی عزت نہ بچتی۔ پولیس کے مخبر محلہ بھر سے ٹیکس وصول کرتے ہیں۔
انجمن کے سکریٹری سارا فنڈ کھا چکے ہیں اور دوسرے کو سکریٹری بھی
ہونے نہیں دیتے۔ متولی اپنے گلیارے میں جو منہ لگ گیا پھر زندگی بھر
اس کو گالیوں سے نجات نہیں۔ جلوس عزا میں ان کی انجمن ہمیشہ
جھگڑا کرتی ہے۔ تپنگ سے لے کر جوئے تک کوئی کھیل انھوں نے
چھوڑا نہیں ہے مگر مجلس میں پیس ڈلوا دیتے ہیں۔ انھوں نے عمامہ و
عبا بغیر پڑھے لکھے نہیں لیا ہے۔ مگر ان کے بزرگ بڑے عالم گذرے
ہیں۔ محلہ کے سارے نوجوان ان کی صحبت میں اوباش ہو گئے مگر خاندانی
آدمی ہیں کوئی ان کے منہ نہیں لگ سکتا ہے۔ لہذا ان سے کچھ نہ کہئے۔

پھر کس سے کہیں اور کیا کہیں؟ کیا شریفوں سے کہیں آپ نے
شرافت کیوں نہیں چھوڑی۔ محلہ کے بزرگ سے کہیں آپ محلہ کی خبر گیری
کیوں کرتے ہیں۔ غریبوں سے کہیں تو دوسروں کی عورتوں کو کیوں نہیں
تاکتے ہو۔ میر صاحب کو کہیں کہ آپ پولیس کو ظلم کرنے سے کیوں روکتے ہیں۔
انجمن کے سکریٹری سے کہیں پائی پائی کا حساب کیوں رکھتے ہیں کھا کر
پائی پائی ختم کر دیجئے پھر کوئی حساب بھی لے گا تو کیا لے لے گا۔

متولی سے کہیں آپ دوزخ سے کیوں ڈرتے ہیں۔ سارے بڑے
آدمی تو وہیں ملیں گے۔ جنت میں تو چھوٹے اور غریب لوگ جائیں گے۔
جن کے پاس دوزخ خریدنے کا سامان نہ تھا۔ آپ کے پاس تو مال
وقف ہے ٹھاٹ سے دوزخ خریدیئے۔ ماتمی دستہ سے کہیں حسینؑ السلام

بچانے کے لئے یزیدؑ سے لڑے تھے آپ یزیدیت بچانے کے لئے حسینیت سے لڑیئے ۔ ذاکر حسینؑ سے کہیں نہ آپ جنت میں جائیں نہ ہمارے بچانے کی فکر میں ڈبلے ہوئیے نہ گلا پھاڑیے ۔ بلکہ اس تصور میں مست رہیے اور ہم کو مست رکھیئے کہ ہم یا آپ کچھ بھی کریں مگر جنت میں تو پہنچ ہی جائیں گے ۔ کتابیں بغلوں میں دبائے ہوئے جانے والوں سے کہیں کہ پڑھنا لکھنا چھوڑیے ۔ بس جناب بنیئے اور موج کیجئے ۔ خاندانوں کو بنانے کی فکر میں نہ مکتب کھولئے نہ اسکول ۔ جیب کترنا چاقو چلانا سکھائے ۔ کھا کمانے کی ضرورت ہے اس میں حلال و حرام کے چکر کی کیا ضرورت ہے ۔ عزت ۔ ذلت میں کیا رکھا ہے ۔ بس آمدنی ہونا چاہیئے یہی خاندانی ہونے کے لئے کافی ہے ۔ آدم مٹی سے بنے تھے ۔ خاندان پیسے دولت سے بنتے ہیں ۔

کیا ان باتوں میں سے کوئی بات کہنا ممکن ہے نہیں ۔ بالکل نہیں ۔ اور جو کہنا چاہیئے اس کے لئے کہا جاتا ہے ۔ ان سے کچھ نہ کہئے پھر ہمیں کیا کرنا چاہیئے ۔ اس کا فیصلہ خدا نے کر دیا ہے ۔ نیکی اور بدی کا علم حاصل کرو ۔ اور ہر چھوٹے بڑے کو ہر بڑی چھوٹی بات پر روکو اور ٹوکو مگر اپنے کو فساد و فتنہ سے بچائے رکھو تاکہ نیکی کے نام پر بھی برائی نہ پیدا ہونے پائے ۔